ہفت روزہ

ترجمانِ اسلام

لاہور

نگرانِ اعلیٰ مفتی محمود

کیا زکوٰۃ کو ٹیکس کا مترادف قرار دیا جاسکتا ہے

میں ناگزیر نہیں ہوں

مولانا مفتی محمود

عصرِ حاضر میں اسلام کی افادیت

مقالۂ خصوصی

نیوٹرون بم کیا ہے؟ قاری محمد طیب صاحب کی تقریر،
باغِ جناح میں قاری صاحب مدظلہٗ کا خطاب، بہاولنگر میں دارالعلوم دیوبند کی تقریبات،
طلباء کی سرگرمیاں، شہر شہر سے، ایڈیٹر کے نام کے علاوہ دیگر دلچسپیاں

۱۹ مئی ۱۹۷۸ء ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ

قیمت ایک روپیہ

اکرام القادری

کیسی عجب بہار ہے؟



کس کی کسی سے دوستی کس کو کسی سے پیار ہے ؟
کون کسی کا ہے ندیم کون کسی کا یار ہے ؟

روتا رہا ہوں رات دن کوئی سُنے بھی تو مری
یوں تو جہان بھر مرا جانی و جاں نثار ہے

میں نے کچھ اہلِ حق سے بھی بارہا یہ سُنا ہے دوست
حق کی نہ بات کیجئے حق کے لئے تو دار ہے

جن کے لئے لٹا دیا ہم نے اثاثۂ حیات
ان کی نگاہ میں بھی اب اپنا وجود خار ہے

جب بھی چمن کی سیر کی مجھ پہ یہ منکشف ہوا
ہر شاخ بے سکون ہے ہر پھول بے قرار ہے

اور کسی کی بات کیا اور کسی سے کیا کہیں
انساں کے جور و ظلم کا انسان ہی شکار ہے

شکوہ ہو کیا کسی سے اب کس سے شکائتیں کریں
نہ کوئی چارہ ساز ہے نہ کوئی غمگسار ہے

دَورِ خزاں نہیں مگر دل ہے اداس و مضطرب
ایک بھی گل کھلا نہیں کیسی عجب بہار ہے ؟

ٹھیک ہے بے عمل ہوں میں ہوں تو غلامِ اہلِ دل
میرے لئے فقط یہ بات باعثِ افتخار ہے

مسجد کا دَور لد گیا مسجد سے کیا ملے گا اب!!
مَرجعِ خلق اِن دنوں اُجلا ہوا مزار ہے

پوچھا نہ باغبان نے اکرام عندلیب سے
لگ گئی چُپ تجھے یہ کیوں کس لئے اشکبار ہے



"وسیع تر قومی وملکی مفاد" اور خان عبدالقیوم خان



جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۲۰

جمعۃ المبارک ۱۷ مئی ... ۱۰ جمادی ثانی ۹۸ھ

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور
مدیر
اکرام القادری
مدیر معاون
عمیر الہاشمی



بدل اشتراک
سالانہ
۴۵ —— روپے
ششماہی
۲۳ —— روپے
سہ ماہی —— ۵۰ . ۱۱ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

"مردِ آہن" خان عبدالقیوم خان نے ایک مرتبہ پھر نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے اور روایتی چالاکی و پُرکاری سے کام لیتے ہوئے پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پیر آف پگارا کی قیادت قبول کر لینے کا اعلان کر دیا ہے۔ خان عبدالقیوم خان کی اس نئی چال کو بعض خوش فہم قسم کے افراد دونوں مسلم لیگوں میں اتحاد کے نام سے موسوم کر رہے ہیں اور اس ادغام و اتحاد کو ملک کے "وسیع تر مفاد" میں قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ خود خان قیوم خان نے اپنے ایک بیان میں یہی بات کہی ہے کہ میں نے "ملک و قوم کے وسیع تر مفاد" میں ایسا کیا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "ملک و قوم کا مفاد کیا ہے" اس کا واضح مفہوم کیا ہے، اس کے حقیقی معنیٰ کیا ہیں، اس سے مُراد کیا ہے اور اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ تو یہ حق صرف خان قیوم ہی کو پہنچتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کچھ وضاحت فرمائیں بلکہ جو کچھ خان صاحب موصوف کہیں اور کریں وہی "وسیع تر قومی وملکی مفاد" ہے اس کے علاوہ سب غلط۔

خان قیوم اگر تحریک پاکستان کے دوران کانگریس کے ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے کچھ کہیں اور کریں تو "قومی اور ملکی مفاد" میں۔ اور جب انہیں یہ محسوس ہونے لگے کہ اب پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی تو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا "وسیع تر ملکی و قومی مفاد"۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب بانیٔ پاکستان پرانی رنجشوں کو دُور کرتے ہوئے قومی سطح کے رہنماؤں سے اتحاد اور یکجائی کی کوشش کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو قیوم خان کو پھر "وسیع تر قومی اور ملکی مفاد" کا خیال آ جاتا ہے اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے بانیٔ پاکستان کو ایسا کرنے سے روک دیتے ہیں اور اسی "وسیع تر قومی وملکی مفاد" کے نتیجہ میں صوبہ سرحد کی وزارتِ عُلیہ پر فائز ہو کر اور اپنے سیاسی مخالفین کو کشتۂ ظلم و ستم بنا کر "مردِ آہن" اور "خانِ اعظم" ایسے القاب سے ملقب قرار پاتے ہیں۔

صدر ایوب خان کے دورِ اقتدار میں جیل یاترا کی نوبت آتی ہے تو مردِ آہن معافی نامہ تحریر کر کے "وسیع تر ملکی و قومی مفاد" کا ثبوت دیتے ہیں اور جب ایوب خان کی بارگاہ سے معافی مل جاتی ہے تو پورے دس سال تک مردِ آہن اس نئے منقار زیر پر رہتے ہیں کہ "وسیع تر ملکی و قومی مفاد" کا تقاضا یہی ہے۔

ایوب خان بیاد در اقتدار پورا کر کے رختِ سفر باندھ لیتے ہیں۔ نتیجتاً یحییٰ خان اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوتے ہیں، سیاسی سرگرمیاں بحال ہوتی ہیں اور ملک گیر انتخاب کا ڈول ڈالا جاتا ہے تو یکبارگی پھر اسی مردِ آہن کو "وسیع تر ملکی و قومی مفاد" کی یاد ستانے لگ جاتی ہے اور دو مسلم لیگوں (کونسل مسلم لیگ اور کنونشن مسلم لیگ) کی موجودگی میں تیسری مسلم لیگ قائدِ اعظم کے نام سے راتوں رات تخلیق کر لیتے ہیں۔

اور اسی طرح سے پورے ملک کے چھوٹے بڑے مفاد پرستوں کو اس نوزائیدہ قائدِ اعظم مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کر کے نکل پڑتے ہیں۔ "نظریۂ پاکستان کی حفاظت" "ملک میں اسلامی نظام کے قیام" اور "وسیع تر

"ملکی و قومی مفاد" کی تکمیل و ترویج کے لئے اور اب تخلیق پاکستان کے مخالفوں پر ہی نہیں برستے بلکہ پاکستان کے خالقوں کو بھی کوستے ہیں اس لئے کہ انہوں نے پنجاب میں رہتے ہوئے بھی سوشلزم ایسے کافرانہ نظام کی یلغار کو نہیں روکا اور اس فرض کی انجام دہی کے لئے بھی اس پیرانہ سالی میں دور دراز کا سفر کرکے مجھے سرحد سے آنا پڑا۔

انتخابات ہوئے تو قیوم خان کی ساری توقعات پر پانی پھر گیا، اور وہ صوبہ سرحد میں بھی اس پوزیشن میں نہ آسکے کہ لیگی وزارت سے (عرصۂ دراز کے بعد ہی سہی) ہم آغوش ہو سکیں۔ اب لگے یحییٰ خان کی چوکھٹ چاٹنے اور "وسیع تر قومی و ملکی مفاد" کا ناد پھونکنے۔ یحییٰ خان جو بھی اقدام کرتے "مرد آہن" بڑھ چڑھ کر اس کی تائید و حمایت کرتے اسی لئے کہ خانصاحب کو اس سربستہ حقیقت کا علم تھا کہ یحییٰ خان اقتدار میں طویل عرصے تک رہنے کے خواہشمند ہیں اور اسی طرح سے انہیں بھی وزارت کا ایک آدھ ٹکڑا مل جائے گا۔

اسی دوران شیخ مجیب الرحمن کے اقتدار میں آنے کی بات آئی تو یہی مرد آہن دبی زبان میں اسی کی حمایت پر مستعد ہو گئے اور جب سابقہ مشرقی پاکستان میں یحییٰ خان نے بھٹو کی ملی بھگت سے آرمی ایکشن لیا تو یہ قیوم خان ہی تھے جو اس یحییٰ خانی اقدام کی تائید میں بھٹو کے ہمقدم تھے اور اسی ایکشن کو بھی وہ "وسیع تر قومی مفاد" ہی کا نام دے رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسی "وسیع تر قومی مفاد" نے ملک کو دو لخت کر دیا۔ نفرتوں کی فصلیں کھڑی ہو گئیں اور ایک لاکھ کے قریب پاکستان کی مسلح افواج دشمن کی قید میں چلی گئیں۔

بھٹو نے اس تباہی و بربادی کے بعد عنان اقتدار سنبھالی تو قیوم خان کو سوشلزم خالص اسلام نظر آنے لگا کیوں اس لئے کہ "وسیع تر قومی و ملکی مفاد" کا تقاضا ہی یہ تھا۔ سرحد میں نیپ کی وزارت کا امکان پیدا ہوا تو خان عبدالولی خان ایسا "ازلی غدار" چشم زدن میں محب وطن بن گیا اور نظریۂ پاکستان کے اس سب سے بڑے اجارہ دار نے عبدالولی خان سے تمام تر اختلافات کو خیرباد کہنے کی ٹھان لی اور ولیخان کو اپنا رہنما و قائد تک کہنے میں باک محسوس نہیں کیا کہ اس کے بغیر "وسیع تر قومی و ملکی مفاد" کی تکمیل کی اور کوئی متبادل صورت ہی نہیں تھی۔

خان عبدالولی خان نے پذیرائی نہ کی تو جمعیۃ علماء اسلام کی طرف رخ کیا۔ جمعیۃ علماء اسلام کے رہنماؤں سے راولپنڈی میں ملے۔ جمعیۃ کے رہنماؤں نے اتحاد کے لئے پانچ بنیادی اصول پیش کئے تو "خان اعظم" نے فوراً تسلیم کر لئے اور کچھ ایسی چیزیں چھوڑنے پر بھی رضامند ہو گئے جو عہد پیری میں بھی مرد آہن کی زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔

مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور جمعیۃ اور نیپ کا اتحاد ہو گیا۔ بھٹو کی کہہ مکرنیوں؛ پیمان شکنیوں اور لیت و لعل کے بعد سرحد و بلوچستان میں جمعیۃ اور نیپ کی حکومتیں تشکیل ہوئیں تو قیوم خان انگاروں پر لوٹنے لگے۔ دن کا چین اور رات کا آرام عنقا ہو گیا اب لگے بھٹو صاحب کی قربت حاصل کرنے اور اپنے گذشتہ تجربات سے روشناس کرانے ۔۔۔۔ بالآخر یہ تمام پاپڑ بیلنے کے بعد وزارت داخلہ کی کرسی پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ وزارت داخلہ میں ہوتے ہوئے قیوم خان نے دو ایسے کارنامے انجام دیئے جو ناقابل فراموش اور "وسیع تر قومی و ملکی مفاد" کے غماض ہیں۔ ایک یہ کہ صوبہ سرحد و بلوچستان کی منتخب حکومتوں کو ختم کرانا اور دوسرا فیڈرل سیکورٹی فورس ایسی غیر آئینی، بلاجواز، بے مقصد اور ظالمانہ تنظیم قائم کرانے۔ بھٹو نے بھی کچھ اسی قسم کی ضرورتوں کے لئے خان قیوم کی لازوال خدمات حاصل کی تھیں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو اب قیوم خان میں بھٹو کے لئے کوئی چاشنی باقی نہ رہی لیکن اس کے باوجود بھٹو اقتدار کے آخری مرحلے تک قیوم خان وزیر داخلہ کے منصب پر براجمان رہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو "وسیع تر قومی و ملکی مفاد" کو زبردست خطرہ لاحق ہو جاتا۔

پاکستان قومی اتحاد نے منظم اور شرمناک انتخابی دھاندلی کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی تو قیوم خان براہ راست بھٹو کے شریک کار رہے اور بھٹو کے ہر اقدام کی کھلی حمایت کرتے رہے بھٹو کا اقتدار ڈولتے دیکھا تو کچھ دنوں کے لئے چپ سادھ لی اور جب بھٹو اقتدار کی مضبوط کرسی سے اتار پھینکے گئے تو لگے پیپلز پارٹی سے شکوے شکایت کرنے اور قومی اتحاد کے بعض رہنماؤں سے خفیہ ملاقاتیں کرنے۔ قومی اتحاد کے رہنماؤں نے قیوم خان کو گھاس ڈالنے سے انکار کر دیا تو پھر بھٹو ہی سے انتخابی معاہدہ کر لیا۔ اس دوران مارشل لاء حکومت کی تعریف و توصیف میں بھی قلابے ملانے شروع کئے مگر ادھر سے کوئی دست غیب نمودار نہ ہوا۔

اب جبکہ قیوم خان کو یہ یقین ہو چلا کہ بھٹو کا زوال یقینی اور منطقی ہے اور قومی اتحاد زود یا بدیر اقتدار میں آکر رہے گا تو پیر آف پگارا کی قیادت کو بغیر کسی شرط کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے روز قیوم خان نے یہ بیان داغ دیا کہ وہ قومی اتحاد میں نظریۂ پاکستان کی مخالف جماعتوں کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے۔ یہ وہی پرانی راگنی تھی جس کی اب عوام میں کوئی وقعت نہیں رہی اس لئے کہ عوام اب قیوم خان کو ہر روپ میں پہچانتے ہیں

پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود نے قیوم خان کی نئی کروٹ اور حالیہ بیان بازی کا بروقت نوٹس لیتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ قیوم خان کی قومی اتحاد میں شمولیت شہیدوں کے خون سے غداری ہے۔ ہم اس سلسلہ میں پیر صاحب پگارا سے دوٹوک بات کریں گے اور قیوم خان کو قومی اتحاد میں شامل نہیں ہونے دیں گے"۔ مفتی صاحب کے جواب میں جو کچھ مسلم لیگ کے ممتاز رہنما چوہدری ظہور الٰہی نے گو معتدل روش اختیار کی ہے مگر عوام کی سمجھ میں ان کی منطق بالکل نہیں آئی کہ اس سے پہلے بھی قومی اتحاد نے کچھ ایسے لوگوں کو نہ صرف قومی اتحاد میں شامل کیا ہے بلکہ ٹکٹیں تک دی ہیں جن کا تعلق پیپلز پارٹی سے رہا ہے۔ چوہدری صاحب کی منطق کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اول تو عوام نے قومی اتحاد کی اس لغزش کو تسلیم نہیں کیا اور اگر قومی اتحاد نے ایسی غلطی کی ہے تو کیا اس غلطی کا بار بار اعادہ کیا جانا چاہیئے اور عوام کی خواہشات کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ اور پھر کہاں وہ لوگ جو پیپلز پارٹی کے بے پناہ مظالم کے خوف کی وجہ سے پیپلز پارٹی کا ساتھ دینے پر مجبور تھے اور کہاں یہ نفرتوں کے بیج بو کر اپنا الو سیدھا کرنے والا گرگ کہن سال۔

اس سلسلے میں "نوائے وقت" نے بھی اپنی مخصوص تکنیک کے مطابق ادارتی نوٹ میں مولانا مفتی محمود کے بیان پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے دور کی کوڑیاں اٹھانے کی کوشش کی ہے حتیٰ کہ حقائق و واقعات کے برعکس یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بھٹو حکومت میں شامل ہونے کی وجہ سے مفتی صاحب کو خان قیوم سے جو شکایات ہیں ان پر بحث کو منطقی انجام تک پہنچائیں تو پھر بات بہت دور تک چلی جائے گی اور ۷۰ء میں مفتی صاحب اور ان کی جمعیۃ کے کردار اور اپریل ۷۲ء کے بعد سرحد کی وزارت اعلیٰ کے زمانے میں ان کی کارکردگی بھی زیر بحث آ جائے گی۔ اس سلسلے میں ہم اتنی گذارش کریں گے کہ اگر "نوائے وقت" کے اداریہ نگار کوئی نیا محاذ کھولنا چاہتے تو اپنی صوابدید کے مطابق طبع آزمائی کر لیں لیکن وہ پھر ہمارا جواب بھی نوائے وقت میں ہی چھاپنے کی جرأت ضرور کریں تاکہ قارئین کے سامنے جمعیۃ اور اس کے رہنماؤں کی کارکردگی کے ساتھ ساتھ "نوائے وقت" اور اس کے ممدوحین کی کارکردگی بھی آ جائے۔ فی الحال ہم یہ عرض کریں گے کہ

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھیے









کی جدائی کا تصوّر سامراجی طاقتوں نے دیا ہے



مولانا حامد الانصاری کی مشہور کتاب اسلام کا نظام حکومت کی رسم افتتاح کے موقع پر باغِ جناح میں ایک پروقار تقریب سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب ــــ صاحب پرنسپل دار العلوم دیوبند کا بصیرت افروز خطاب

محترم دوستو!

دنیا میں دو قسم کی نعمتیں ہیں۔ ایک مادی نعمت دوسری روحانی نعمت۔ مادی نعمت سے مراد کھانے پینے کی نعمت، مکان کی نعمت، لباس کی نعمت اور بہت سی نعمتیں ہیں جو ہماری زندگی کے لئے درکار ہیں۔ روحانی نعمت سے مراد علم کمال طلب آخرت اور نفس کی اصلاح ہے۔ اوالذکر نعمتوں کا سرچشمہ حکومت ہے اور روحانی نعمتوں کا سرچشمہ نبوّت ہے۔ اگر حکومت نہ ہو تو طاقت ور کمزور کا حق چھین لے۔ انبیاء سے روحانی اور سلاطین سے مادی نعمتوں کا سلسلہ چلا ہے۔ ان دونوں نعمتوں کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا۔ "اے بنی اسرائیل یاد کرو اس کی نعمتوں کو کہ اس نے تم میں انبیاء بھی اور سلاطین بھی بھیجے۔ اسلام نے ان دونوں نعمتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں یکجا کر دیا۔ بعد ازاں خلافت کی شکل میں موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء ہیں اور اللہ تعالے کے آخری خلیفہ ہیں۔ آپ بیک وقت پیغمبر بھی ہیں اور بادشاہ بھی۔ ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت فرما رہے ہیں دوسری طرف مسجد نبوی میں بیٹھ کر دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے صادر فرما رہے ہیں۔ دفاعی تدابیر پر صلاح مشورے کئے اور حکمرانی کے اصولوں کے اعلانات کئے۔ سیاست اور مذہب کی جدائی کا تصوّر سامراجی طاقتوں نے دیا ہے۔ انگریز نے محض اپنے ملحدانہ نظریات کے فروغ کے لئے دین و سیاست کی جدائی کا تصور عام کیا اور وہ اس گمراہی کی تبلیغ اس لئے کرتے ہیں کہ سیاسی نظام کو چلانے کے لئے انہیں اخلاقی حدود کی پابندی پر مجبور نہ کیا جا سکے۔

حکیم الاسلام نے نظامِ خلافت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ نیکی کے کاموں کی ترویج اور برائیوں سے روکنے کے امور میں خلیفہ سے تعاون اسلامی ریاست کے ہر شہری کا فرض ہے، تاہم خلیفہ اپنے کام میں کوتاہی کرے یا اسلامی اصولوں سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے تو اس کی نہ صرف مخالفت جائز ہے بلکہ اسے بدلا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن بلاوجہ اختلاف شر اور فساد قرار پاتا ہے۔

قرآن کریم میں تین اطاعتیں بیان کی ہیں:

۱۔ خدا کی اطاعت

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

۳۔ امیر کی اطاعت

خدا کی اطاعت میں اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ اللہ کی اطاعت وصف کی وجہ سے واجب الاطاعت نہیں، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وصف رسالت سے واجب الاطاعت ہے، تیسرے امیر کی اطاعت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرے۔

اس سے قبل بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے مبلغین جاپان میں ۳۲ ہزار اور کوریا میں ساڑھے تین ہزار افراد کو مشرف بہ اسلام کر چکے ہیں۔ امریکہ میں مبلغین دارالعلوم دیوبند کی خاصی تعداد لوگوں کو اسلام کے جامع نظام حیات سے روشناس کرا رہی ہے جبکہ پاکستان میں اس وقت ۵، ہزار اور بنگلہ دیش میں ڈھائی لاکھ مبلغین کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند سے فیض پانے والی بزرگ ہستیوں نے پوری دنیا کو فیض پہنچایا اور ہر محاذ پر ملحدین کا مقابلہ کیا۔ اگر عیسائیت کے رد کی ضرورت پڑی تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مقابلہ کیا اور اسلام کے حقائق بیان کئے۔ اور اگر کمیونسٹوں سوشلسٹوں کے نظریات کو باطل ثابت کیا تو

میں بحیثیت طالب علم کے یہاں آیا ہوں

قاری محمد طیب

دارالعلوم دیوبند کا کردار درخشندہ اور پائندہ ہے

دینی مدارس دیوبند کے درخشندہ ستارے ہیں، مفتی محمود

قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی ملتان تشریف آوری پر خان عبدالرشید نے گلگشت میں عشائیہ دیا۔ دوسرے روز ضلع کے امیر سید خورشید عباس گردیزی نے دعوت طعام دی۔ ۲ مئی کو میاں سلطان احمد قریشی نے کھانے کا اہتمام کیا۔ دوپہر مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے لاہور میں دعوت ملاقات دی تھی اس لئے ٹیلیفون پر نوابزادہ نصر اللہ خان سے رابطہ قائم ہوا تو انہوں نے بھی لاہور جانے کو قبول کر لیا۔

۳ مئی کو برصغیر کے ممتاز عالم دیوبند کے سربراہ جناب قاری محمد طیب صاحب کراچی سے ملتان پہنچے تو حضرت مفتی صاحب بھی استقبال کے لئے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ملتان میں بوئنگ طیارہ رن وے پر کھڑا رہتا ہے اور لوگ بس میں سوار ہو کر آتے ہیں۔ سیکورٹی حکام نے حضرت مفتی صاحب کو خصوصی اجازت دی کہ آپ رن وے تک جا کر حضرت قاری صاحب کو لے آئیں۔

جونہی قاری صاحب مفتی صاحب کے ساتھ کار میں ہوائی اڈہ پر پہنچے فضا نعروں سے گونج اٹھی۔ مختصر سے تعارف اور ملاقاتوں کے بعد نواں شہر مدرسہ تعلیم القرآن مسجد باغبانان پہنچے اور بعد میں مدرسہ قاسم العلوم تشریف لائے۔ مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء استقبالی لائنوں میں کھڑے تھے۔ حضرت کی تشریف آوری پر زبردست نعروں سے استقبال کیا گیا۔ قاری صاحب سیدھے دارالحدیث میں تشریف لے گئے۔ قاری محمد طاہر نے تلاوت کلام پاک کی اور بعد میں حضرت مفتی صاحب نے خیر مقدم کے طور پر تقریر فرمائی۔

مفتی صاحب کا خطاب :-

مختصر خطبہ کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا آج کا دن ہمارے لئے بہت مسرت کا دن ہے اس لئے کہ دنیا کی عظیم دینی درسگاہ دیوبند کے سربراہ ہم میں موجود ہیں۔ دارالعلوم دیوبند جس کا کردار نہایت درخشندہ اور پائندہ ہے اور سلف کی یادگار ہے۔ مدرسہ قاسم العلوم اور پاکستان کے دوسرے تمام مدارس اسی دارالعلوم کے درخشندہ ستارے ہیں۔

صد سالہ جشن :-

آپ جانتے ہیں کہ دیوبند کا صد سالہ جشن ہو رہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان میں جس قدر بھی فاضل دیوبند ہیں ان کو اس جشن میں شریک ہونے کی اجازت ہونی چاہیئے اور ان کی دستار بندی ہونی چاہیئے۔

آج گیارہ بجے رات جنرل ضیاء الحق صاحب سے جو بات چیت ہے اس میں اس مسئلے کو بھی پیش کر دوں گا۔ حکومتیں سہولتیں مہیا کرے تاکہ لوگ بڑی تعداد میں اس جشن میں شریک ہوں جس وقت پاکستان بنا اس عرصہ میں کوئی بڑا مدرسہ نہ تھا۔ لوگ دیوبند جا کر ہی علم کی روشنی حاصل کرتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ دورہ حدیث شریف کا اہتمام ہو۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ بہت سے بڑے بڑے مدارس قائم ہوتے اور ان سے ہزاروں علماء دین فارغ تحصیل ہو چکے ہیں۔

میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ان فضلاء کو بھی دارالعلوم سے سند ملنی چاہیئے اس لئے کہ دیوبند نے ہی ان کو روشنی بخشی ہے۔

اگر حکومت نے کسی مصلحت کے پیش نظر سفر کی سہولتیں میسر نہ کیں تو پھر تین مقامات پر صد سالہ جشن ہوں گے۔ بھارت، بنگلہ دیش، پاکستان۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان میں جشن کا اہتمام کریں گے۔

میں حضرت کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ نے

بقیہ صفحہ ۱۸ پر





امریکہ کی جانب سے ایک نئے جوہری بم "نیوٹرون بم" بنانے کے فیصلے سے جہاں دنیا بھر میں جوہری ہتھیاروں میں کمی کرنے اور ان پر پابندی لگانے کے حامیوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے وہاں روس امریکہ تعلقات میں کا جو خوشگوار عمل شروع ہوا تھا اس پر بھی منفی اثرات پڑنے کے خطرات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جہاں تک روسیوں کا تعلق ہے وہ جولائی ۱۹۷۷ء میں امریکہ کی جانب سے نیوٹرون بم بنانے کے فیصلے کے اعلان کے وقت سے ہی اسے ایک مہلک اور جارحانہ ہتھیار قرار دیتے ہوئے اس کی تیاری بند کرنے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں اور امریکہ کے اس اقدام کو جوہری ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدے کی خلاف ورزی اور سالٹ ۔ ۲ کو ناکام بنانے کی کوشش قرار دیا ہے۔ لیکن امریکی حکومت کا دعویٰ یہ ہے کہ نیوٹرون بم ایک "انسان دوست" ہتھیار ہے جو صرف انسانوں کو ہلاک کرتا ہے اور جائیداد کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

جہاں تک نیوٹرون ہتھیاروں کو "انسان دوست" ہتھیار کا نام دینے کا تعلق ہے امریکہ کے اس استدلال کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ کوئی بھی ہتھیار خاص کر جوہری ہتھیار انسان دوست نہیں بلکہ انسان دشمن ہیں۔ نیوٹرون بم کی کارکردگی اور اثرات کے بارے میں خود مغربی سائنسدانوں نے جو انکشافات کئے ہیں وہ یہ جاننے کے لئے کافی ہیں کہ نیوٹرون بم کو "انسان دوست" قرار دینے والوں کے دعوؤں میں کتنی صداقت ہے۔

مشہور برطانوی ماہر طبیعات اور سائنسی کارکنوں کی عالمی فیڈریشن کے صدر پروفیسر ایرک برہوپ جو دوسری عالمی جنگ کے دوران ایٹم بم بنانے کے امریکی منصوبے میں کام کر چکے ہیں، نیوٹرون بم، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عام ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے پھٹنے کے بعد ان میں سے توانائی فوراً اور اچانک خارج ہو جاتی ہے اور اس میں سے بڑی مقدار میں نیوٹرون خارج ہونے لگتے ہیں لیکن ان کے اثرات کو دوسرے اثرات دبا دیتے ہیں۔ یہ بم دھماکے کے ساتھ عمارتوں اور جائیدادوں کو تباہ کرتے ہیں اور انسانوں کو ہلاک یا زندہ دفن کر دیتے ہیں اور کھلی جگہ میں موجود لوگ ان بموں سے خارج ہونے والی حدت سے بھسم ہو جاتے ہیں اور ان بموں کے دھماکے سے پیدا ہونے والے نیوٹرونوں سے خارج ہونے والی تابکاری ایک تا دو کلومیٹر کے علاقے میں موجود جانداروں کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے۔

جبکہ نیوٹرون بموں سے توانائی بہت آہستہ آہستہ خارج ہوتی ہے۔ یہ بم ایک طرح کی مرطوب آتش بازی ہوتی ہے جو گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہتی ہے لیکن اس میں سے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی طرح نیوٹرون اور تابکاری کے اخراج کا عمل جاری رہتا ہے اور یہ عمل نسبتاً ایک طویل عرصے تک جاری رہتا ہے اور یہ نیوٹرون ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے نیوٹرون کی طرح ایک سے دو کلومیٹر کے علاقے تک پھیل جاتے ہیں اور ان کی زد میں آنے والے جاندار اور انسانوں پر ان کے مہلک اثرات ہوتے ہیں اور اس تابکاری سے متاثر ہونے والے ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک انتہائی اذیتیں سہہ کر بالآخر دم توڑ دیتے ہیں۔ کوئی آدمی کتنے عرصے میں نیوٹرون تابکاری کے اثرات سے مر جائے گا اس کا دارومدار دھماکے کی جگہ سے فاصلے کی کمی بیشی پر ہوتا ہے۔ غرض نیوٹرون بم اور اس کی تابکاری کے اثرات بالکل وہی ہیں جو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ہوتے ہیں۔ اس تابکاری سے حاملہ عورتوں کے اسقاط حمل ہوں گے اور جو حمل ضائع ہونے سے بچ جائیں گے ان سے ایسے بچے پیدا ہوں گے جو ساری زندگی کرب ناک اور اذیت ناک طریقے سے گذاریں گے۔ ان کی شکلیں اس قدر مسخ شدہ ہوں گی کہ قریبی رشتہ دار بھی انہیں دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ تاہم ان عمارتوں کے سوا جو دھماکہ کی جگہ کے قریب ہیں تمام عمارتیں اور جائیدادیں محفوظ رہیں گی۔

میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے پروفیسر بی۔ ٹی۔ فیلڈ کی رائے کے مطابق نیوٹرون بم استعمال کرنے والے جارح "محفوظ رہنے والی" جائیدادوں کو فوراً استعمال نہیں کر سکیں گے جیسا کہ نیوٹرون بم کے وکیل دعوے کرتے ہیں، کیونکہ بم اور اس کے گرنے کی جگہ سے نیوٹرون اور تابکاری طویل عرصے تک خارج ہوتی رہے گی اور حدت بھی کافی عرصے تک قائم رہے گی۔ اس کے علاوہ دھماکہ کے مرکز کے آس پاس کی زمین، فضا عمارتیں اور اشیاء میں نیوٹرون جذب ہو جائیں

اور تابکاری پھیلاتے رہیں گے اور اس طرح وہ علاقہ جانداروں کے لئے مضر اور ہلاکت آفریں بنا رہے گا۔

امریکی ہفت روزہ "ٹائمز" کے مطابق نیوٹرون بم کے دھماکے کی جگہ کے آس پاس موجود جاندار فوراً ہلاک ہو جائیں گے۔ جوہری ہتھیاروں کے بارے میں ایک امریکی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

"ان کے اثرات انتہائی دہشتناک ہیں۔ یہ اثرات مختلف الاقسام ہوتے ہیں۔ ان جوہری ہتھیاروں کے استعمال کے فوراً بعد زندہ رہنے والوں پر تابکاری کے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں سب سے پہلے متاثرین کو الٹیاں آنے لگتی ہیں، پھر دست شروع ہو جاتے ہیں جو پہلے پانی سے ہوتے ہیں اور پھر خونی دستوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بخار بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اکثر حالتوں میں ابتدائی ایک دو روز میں آدمی درد محسوس نہیں کرتا ہے بلکہ صرف تھکن اور طبیعت گری گری محسوس ہوتی ہے رفتہ رفتہ قومے میں چلا جاتا ہے اور اسی حالت میں موت کو گلے لگاتا ہے۔ بعض حالتوں میں پہلے ہفتے میں انسانی جسم کے اندر خون بہنا شروع ہو جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ دوسرے ہفتے میں گلے میں ورم اور سوزش شروع ہو جاتی ہے۔ سر اور جسم کے دوسرے حصوں سے بال گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خصیے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور جلد ہی انحطاط کا شکار ہو جاتے ہیں اور بڑی آنتوں میں زخم یا السر ہو جاتا ہے بخار میں دن بدن اضافہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

پروفیسر بُرہوپ اپنی تحقیق کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ نیوٹرون بم کی تابکاری سے آدمی کی ناک سے مسلسل خون بہنے لگتا ہے خون کے سفید خلئے ختم ہو جاتے ہیں اور انسانی جسم میں بیماریوں کی مزاحمت اور مدافعت کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور سارا خون جلد ہی زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

نیوٹرون بم کے ان خطرناک اور دہشتناک نتائج کے پیش نظر دنیا کے طول و عرض میں اس بم کی تیاری کی مخالفت بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن رائے عامہ کی اس بڑھتی

نیوٹرون بم کی تابکاری سے آدمی کی ناک سے مسلسل خون بہنے لگتا ہے۔

ہوئی مخالفت کو چکمہ دینے اور ساتھ ہی مہلک ہتھیاروں میں کمی کے مذاکرات (سالٹ-۲) میں روس کو بلیک میل کرنے کی غرض سے امریکہ کے صدر کارٹر نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ انہوں نے نیوٹرون بم کی تیاری کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امریکی حکومت کا یہ بیان انتہائی مغالطہ انگیز ہے۔ اوّل تو اس میں نیوٹرون بم کی تیاری ترک کرنے کا نہیں بلکہ ملتوی کرنے کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ اس ہلاکت خیز بم کی تیاری کے ارادے پر قائم ہے۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ صدر کارٹر نے امریکہ اور اپنے اتحادیوں سے کہا ہے کہ وہ اپنی توپوں کے دہانے آٹھ انچ تک چوڑے کریں تاکہ ان کے ذریعے نیوٹرون بم پھینکے جا سکیں۔

امریکی حکومت کے یہ عزائم امن عالم کے تقاضوں کے منافی ہیں۔ حالانکہ آج کے حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ نہ صرف نئے جوہری ہتھیاروں کی تیاری ترک کی جائے بلکہ پہلے سے موجود جوہری ہتھیاروں میں بھی کمی کی جائے اور ہر قسم کے جوہری ہتھیاروں کے تجربوں پر پابندی کے ساتھ ساتھ فضا اور سمندروں میں ایٹمی تجربوں اور دھماکوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس کی ضرورت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مارچ ۷۸ء کے دوسرے پندھرواڑے میں امریکہ میں دس دن تک جو بارش ہوئی اس کے ہر قطرے کے ساتھ تابکار آیوڈین-۱۳۱ برستی رہی کیونکہ اس سے چند دن پہلے چین نے فضا میں جو ایٹمی دھماکہ کیا تھا اس کی تابکاری امریکہ کی فضا میں پھیل گئی تھی جو بارش کے ساتھ امریکہ پر برستی رہی۔ امریکہ نے بجائے اس کے کہ اس زہریلے محلول کی بارش سے سبق سیکھتا اور فضا میں ایٹمی دھماکوں اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور پھیلاؤ پر پابندی کے معاہدے پر دستخط کرنے کیلئے چین پر دباؤ ڈالتا الٹا اس عظیم حادثے کو ہی دبانے کی کوشش کی حالانکہ تابکار آیوڈین-۱۳۱ کی بارش سے امریکہ میں گھاس پھل، سبزیاں اور کھڑی فصلیں زہر آلود ہو گئیں اور ان کو کھانے والے انسانوں اور مویشیوں کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ امریکہ نے اس واقعہ کو دبا کر دراصل چین کو نیوٹرون بم کی حمایت کا صلہ دیا۔ لہٰذا جو حکومت خود اپنے عوام اور ملک کو داؤ پر لگانے کو تلی ہوئی ہو اس سے دوسرے ملکوں کے عوام کے مفادات کا خیال رکھنے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔



ملک بحران کی زد میں

سرکردہ راہنماؤں کے بے موقع غیر ملکی دورے ؟

اس چمن کا اللہ ہی والی ہے

حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ قوم کے دکھ درد میں شریک رہ کر ملک کی خدمت کی جائے۔

پاکستان قومی اتحاد کی نیم کامیاب تحریک کے بعد قومی راہنماؤں نے سیر و سفر اور تفریح و سیاحت کے لئے رخت سفر باندھنا شروع کر دیئے تھے (تحریک کو نیم کامیاب اس لئے کہا گیا کہ بھٹو آمریت سے تو نجات مل گئی لیکن عوام کو اقتدار نہ مل سکا۔ اس لئے ایک لحاظ سے تحریک کامیاب ہوئی۔ دوسرا مقصد بھی پیش نظر ہے دیکھئے شمع امید کب تک روشن رہتی ہے۔ بظاہر تو احوال یہ ہیں کہ

ع خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اس سلسلے میں پی۔ این اے کے صدر نائب صدر (جو صرف حج پر گئے تھے) اور مسٹر اصغر خان (جو ان دنوں "اتحاد" میں شامل تھے) نے بھی غیر ملکی دورے کئے لیکن یہ دورے اتنے طویل نہ تھے اور احتساب کو شروع ہوئے ابتدائی ایام تھے اور سیاسی حلقے "احتساب کے اچھے متوقع نتائج" کے پیش نظر مکمل خاموش تھے۔ بسے میں قومی لیڈر جو تحریک اور اس کے بعد [illegible]ون کے لئے چلائی جانے والی الیکشن مہم سے خاصے تھک چکے تھے تو تفریح کے لئے ان کا جانا کسی حد تک بے موقع نہ تھا لیکن موجودہ حالات جو مسٹر بھٹو کے مقدمۂ قتل کے بعد ایک نئی نوعیت کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور پھر اس کے بعد قومی حکومت کی تجویز پر جس طرح ملک میں قیاس آرائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور ملکی مفاد سے متعلق ایک اہم مسئلہ رائے عامہ کے سامنے آیا۔ ایسے میں ہمارے سرکردہ راہنماؤں کے غیر ملکی دورے نامناسب نہیں تو بے موقع ضرور ہیں۔

جناب احمد شاہ نورانی صاحب جو ایک عرصے سے غیر ملکی دورے پر ہیں اور ملک کے حالات ان کے سامنے نہیں آسکے۔ ان کی اتحاد سے متعلقات میں جو شکررنجی چل رہی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ وہ اتحاد میں رہنا چاہتے ہیں ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں، مگر کوئی بھی ذی ہوش آدمی یہ باور کرنے میں دقت نہیں محسوس کر سکتا کہ ایسے پیچیدہ حالات میں ان کی موجودگی کس حد تک ضروری ہو سکتی ہے؟ جبکہ وہ سواد اعظم کی قیادت کے بھی مدعی ہیں، اور ان کی عدم موجودگی میں قیادت کے مسئلہ پر جو خاص ان کی اپنی جماعت سے متعلق تھا بھی اختلاف پیدا ہوا اور اسی طرح جس "سواد اعظم" کے وہ مدعی ہیں اس پر کیا حادثہ گذرا۔ بہر کیف "سواد اعظم" کے تقاضے تو اپنی جگہ لیکن ملک اور قوم کا مفاد اسی میں ہے کہ ملک کے غم درد میں شریک رہ کر مقدور بھر کوشش جاری رکھی جائے۔ جن ممالک کے نورانی صاحب نے دورے کئے ہیں وہاں بھی اسلام کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن اندریں حالات ملک جس نظریاتی دوراہے پر کھڑا ہے اور آنے والے الیکشن میں آپ کا مقابلہ اسی پارٹی سے ہو گا جو نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ہو گی۔ تو پھر رائے عامہ سے اتنا گریز کیوں؟ خود نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ لوگوں کا ذہن آپ کے متعلق کیا ہو گا؟ کہ اس قسم کے پیچیدہ حالات میں آپ لوگ ان کو بے سہارا چھوڑ گئے۔ کیا عوام پھر یہ سمجھنے پر مجبور نہ ہوں

کہ ان کا کوئی حقیقی خیر خواہ نہیں ہے؟ پھر سیاسی لیڈروں پر مفاد پرستی کا الزام کیوں کر نہ آئے گا؟

اسی طرح کا ایک گلہ بلکہ شکوہ محترم جناب خان عبدالولی خان سے بھی ہے۔ خان عبدالولیخان اپنی سیاسی، جمہوری خدمات کے پیش نظر انتہائی محترم، قابل تکریم شخصیت ہیں۔ مسٹر بھٹو کے مقدمۂ قتل کے بعد بلا تبصرہ کئے وہ اپنی محترمہ بیگم نسیم صاحبہ کے ہمراہ بغرض علاج روانہ ہو گئے۔ اگرچہ وہ کسی پارٹی کے رہنما نہیں۔ کسی پارٹی کا صدر ہونا تو معمولی بات ہے ہم سمجھتے ہیں خانصاحب کی شخصیت ہی وہ واحد شخصیت ہے کہ پاکستان میں اگر ان کو پی۔ این۔ اے کا بھی صدر بنا دیا جائے تو ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ وہ ان مناصب کے بغیر بھی بہت بلند مقام پر ہیں خدا ان کو مزید استقامت بخشے لیکن بایں ہمہ ان کی ذات نہ صرف این۔ ڈی۔ پی بلکہ پورے اتحاد کے فیصلوں پر اثر انداز ہے اس سے کسی منطقی دلیل سے انکار کیا جائے تو ممکن ہے مگر واقعات کی تائید سے یہ بات محروم ہے۔ اس لئے وہ اپنے غیر ملکی سفر کے لئے اس قسم کا کوئی جواز پیدا کریں کہ میں ایک کارکن ہوں اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں تو یہ بات بھی مسلّم نہ ہوگی۔ قومی حکومت کے قیام کے مرحلے پر جو کچھ دیکھنے میں آیا وہ صفحۂ قرطاس پر رقم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں؟ ہر سیاسی دور کر سمجھتا ہے کہ اندریں حالات محترم ولی خان جیسی اثر انداز شخصیت کا موجود ہونا بھی انتہائی ضروری تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خان عبدالولی خان کا فوجی حکومت کے ساتھ جو تشکرانہ رویّہ ہے جو بلوچستان میں عام معافی کا اعلان۔ حیدر آباد ٹریبونل کا خاتمہ خان عبدالغفار خان کو محب وطن قرار دینے کے سبب ایک فطری امر ہے اس کے پیش نظر وہ ان معاملات میں فریق بننا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں خان صاحب محترم ان مصلحتوں سے بہت بلند تر شخصیت کے مالک ہیں، اس لئے ایسا ممکن نہیں ہے؟

قومی حکومت کے قیام کے سلسلے میں پی۔ این۔ اے اور این۔ ڈی۔ پی کے درمیان اختلاف جو پیدا ہوا اور اس طرح آبگینۂ اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ پھر منڈلانے لگا تھا اب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ خان صاحب موجود ہوتے تو عین ممکن تھا کہ معاملہ اس نوعیت تک ہی نہ پہنچتا — بہرکیف یہ معاملات تو خالصتاً اندرونی معاملات تھے اور اس میں حالات کی اتنی خرابی کا اندیشہ نہ تھا لیکن اب حالات نے ایک اور کروٹ بدلی ہے جس سے ان لیڈران کرام کی ملک سے غیر حاضری کا شدت سے احساس ہونے لگا ہے اور وہ ہے **افغانستان** برادر ہمسایہ ملک میں انقلاب۔ افغانستان کے ساتھ صوبہ سرحد و بلوچستان کے اسلامی رشتہ کے علاوہ جو قدیم تہذیب و تمدن اور روایتی و معاشرتی رشتہ قائم ہے اس کے پیش نظر اندریں حالات ان سرکردہ راہنماؤں کا موجود ہونا بہت ضروری ہو جاتا ہے بلکہ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ مزاری صاحب کے موجود ہونے کے باوجود اس مسئلہ کے متعلق سیاسی تشنہ کامی کا مداوا تا وقت ممکن نہیں جب تک خود خان عبدالولی خان صاحب کی شخصیت موجود نہ ہو۔

گذشتہ دنوں الیکشن سیل سے ملاقات کے موقع پر این۔ ڈی۔ پی کی طرف سے جو اچانک پی۔ این۔ اے کے ساتھ قومی حکومت کے قیام کے بارے میں اختلاف رائے ہوا اس کی بھی زیادہ تر وجہ ان راہنماؤں کا از خود موقع پر موجود نہ ہونا تھا۔ خود مزاری صاحب کراچی براجمان تھے اگر وہ راولپنڈی ہوتے تو شاید معاملہ اس سے کچھ مختلف ہوتا۔ بہرکیف این۔ ڈی۔ پی نے جلد ہی اتحاد کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کیا اور اپنی رائے کے اختلاف کے باوجود "اتحاد" کے اجتماعی فیصلوں کے احترام کی یقین دہانی کرائی۔

پی۔ این۔ اے سے اختلاف کے نتیجہ میں جمعیۃ علماء اسلام جو اس کی دیرینہ حلیف جماعت چلی آرہی ہے۔ اس سے اختلاف ہونا ایک فطری امر تھا چنانچہ پی۔ این۔ اے کے صدر نے اس اختلاف کے متوقع نتائج سے ان کو آگاہ کر دیا۔ یہ درست ہے کہ این۔ ڈی۔ پی نے موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اس طرح بات صلح اور رواداری تک ہی رہی — لیکن سیاسی حلقوں کی ایک سوچ یہ بھی ہے کہ این۔ ڈی۔ پی اگرچہ اس وقت ایک مقبول جماعت سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی مقبولیت میں اتحاد کو بہت زیادہ دخل ہے۔ بلوچ راہنما جیل سے رہائی کے بعد ہنوز این۔ ڈی۔ پی میں باضابطہ طور پر شامل نہیں ہوئے — دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلوچستان میں این۔ ڈی۔ پی کا وجود ہے مگر بلوچ قیادت صوبائی سطح پر مفقود ہے جو بہت بڑی کمی ہے نیز ۷۷ء میں اپوزیشن نے بلوچستان میں انتخاب کا بائیکاٹ کیا تھا اس لئے بھی کوئی بات زیادہ وضاحت سے نہیں کہی جا سکتی — اور صوبہ سرحد میں ۷۷ء کے الیکشن کے موقع پر این۔ ڈی۔ پی اور جمعیۃ کو اتحاد کے کھاتے میں سے کل سولہ (۱۶) نشستیں صوبائی اسمبلی کی الاٹ ہوئی تھیں۔ ہزار دھاندلی کے باوجود جمعیۃ نے سات سیٹیں تو جیت لی تھیں جب کہ اس کا دعوٰی یہ تھا کہ ۸ سیٹ بھی اسی نے جیتی ہے لیکن این۔ ڈی۔ پی نے آٹھ میں سے کُل چار سیٹیں جیتی تھیں۔ اور یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ چار میں سے ۲ دو پر امیدوار بیگم نسیم صاحبہ خود تھیں۔

بہرحال ان حالات کی روشنی میں این۔ ڈی۔ پی کو یہی رویّہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جس کا **اتحاد** کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا۔



بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم

عہد حاضر میں اسلام کی افادیت

اسلام تصویر کا ایک رخ دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتا

گناہ کے احساس نے انکو اپنی جان دینے اور خود کو سنگسار کرا لینے کے لئے مجبور کردیا۔

برق و فولاد اور مادی ترقی کے اس دور میں ایک طرف انسان کی پرواز اتنی اونچی ہے کہ چاند بھی اس کی گرد راہ بن چکا ہے لیکن دوسری طرف اس کے بجز و ناچاری کا آج تک یہ حال کہ "درد دل" کے علاج اور "امن و سکون" کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ انسان نے اپنی اس بے چینی سے نجات پانے کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں آئین زندگی وضع کئے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جنہیں انسان نے اپنی زندگی کی کسوٹی پر پرکھ کر جھٹک دیا ہے۔ کتنے ہیں جو اس پیمانے پر چڑھے ہوئے ہیں اور زندگی انہیں اپنے میزان امتحان میں جانچ رہی ہے اور کتنے ہیں جو اس رزم کشاکش میں اترنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ لیکن اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ زندگی کے جسم پر چڑھنے والا ہر لباس کچھ دنوں کے بعد فرسودہ و پارینہ ہو جاتا ہے۔ پچاس۔ سو سال کی مدت نے ہر سکہ کو کھوٹا ثابت کر دیا ہے اور آنے والا طوفان جس زور شور سے آتا ہے وہ اتنی ہی تیز رفتاری سے رخصت بھی ہو جاتا ہے۔ اگر تہذیب و تمدن کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی نہیں ہے جس کے عروج کی کہانی دو ایک صفحہ سے آگے بڑھتی ہو۔ یہ یونانی تہذیب، یہ رومی تمدن، یہ ایرانی جاہ و جلال بھلا کون تھا جو ان نصف دنیا کے علمی، تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی حکمرانوں کی شکست اور نام و نشان مٹ جانے کا تصور کر سکتا تھا؟ مگر وقت کے انقلابات نے ان تمام ناممکنات کو واقعات اور زندہ حقائق بنا ڈالا اور ہر مستقبل نے اپنے ماضی سے ایسی بے وفائی کی جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج بھی آزمائش کی اس بھٹی میں سینکڑوں سکے تیار ہو رہے ہیں تاکہ دنیا ان کا کھوٹا کھرا پہچان لے اور یہ جان لے کہ ان سے کیا سودا خریدا اور بیچا جا سکتا ہے اور وہ دنیا کو کس طرف لے جا رہے ہیں لیکن دنیا کا دل اب ان سے بیزار اور غیر مطمئن ہو گیا ہے اور انسانیت پھر سوال کر رہی ہے

ع اب کسے رہنما کرے کوئی

لیکن اسلام یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے جو پیغام پیش کیا ہے اور انسانیت کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا ہے وہ ایسا نہیں کہ وقت گزر جانے کے بعد فرسودہ ہو جائے۔ اس کی افادیت جتنی اور جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھی، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی اور جب تک انسانیت اس سے برگشتہ ہو کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہے گی ٹھوکر کھائے گی اور کبھی کامیاب نہ ہوگی۔

اسلام کے اس چیلنج کا جائزہ لینے کی سب سے آسان راہ یہ ہے کہ عہد حاضر میں جو تہذیب انسانیت کی مقتدیٰ بنی ہوئی ہے ان کے صلاح و فساد اور بنائے اور بگاڑے ہوئے افراد کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اسلام اور اس کی شریعت سے جو افراد تیار ہوئے تھے وہ کس حد تک کامیاب یا ناکام اور مصلح یا مفسد تھے اور یہ کہ موجودہ دور میں جو مفاسد ہیں اسلام اپنے عہد اقتدار میں ان کا خاتمہ کرنے میں کامیاب رہا یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ موجودہ زمانے نے اسلام سے زیادہ صالح سوسائٹی تیار کی ہے اور آج جو برائیاں ہیں اسلام بھی ان سے نمٹنے پر قادر نہیں ہے تو خود بخود اس کے اس غلط دعوے کی عمارت زمیں بوس ہو جائے گی لیکن اگر تاریخ اور واقعات کی شہادت اس کے برعکس ہو تو یہ بجائے خود اسلام کی عالمگیر افادیت کا واضح ثبوت ہوگا۔

اس تقابلی جائزہ کے لئے آج جب کوئی انسان اپنے گردوپیش کی دنیا پر نظر ڈالتا ہے تو ہر وہ آدمی جس کے دل میں انسانیت کی کوئی ہلکی سی کرن بھی ضوفگن رہتی ہے سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا انسانوں کے لئے نہیں درندوں کے لئے بنائی گئی ہے یہاں صورت، شکل اور ڈھانچہ کے جو انسان ہیں ان کے جسم میں تیار ہونے والا ہر قطرۂ خون اور پارچہ گوشت ان کی انسانیت کی تردید کر رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں غریبوں اور فاقہ کشوں کا خون چوسا جا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عدالت کے کٹہرے سے بے قصور اور بے خطا سولی کے تخت پر چڑھا دیا جاتا ہے اور ظلم و ستم کی اندھی تلوار چلانے والا بال بال بچ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کی عفت و عصمت کانچ کا معمولی کھلونا بن گئی ہے جسے پیسہ دو پیسہ میں خرید اور بیچا جا سکتا ہے اور انسان کی شہوت و حیوانیت بیگانوں سے ہٹ کر اپنی ماں بہن تک متجاوز ہو گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کینہ و کدورت عیاری اور مکاری حرص و طمع، رنگ و نسل اور وطن و نسب کی عصبیت اس سماج میں تہذیب و تمدن کے نام پر پھل پھول رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان، انسان کی تباہی ان کے قتل و خون اور ان کے ہلاکت کے لئے خوب دماغ سوزی کر رہا ہے لیکن اس کی بقا اور صلاح کے لئے کچھ نہیں کرتا آج انسانیت کا ضمیر اتنا مردہ اور اس کا دل ایسا اندھا ہو چکا ہے کہ اس کے پڑوس میں برائیاں ہوتی ہیں مگر اس کے دل میں کوئی ٹیس نہیں اٹھتی۔ اس کے سامنے انسان کا خون بہتا ہے مگر وہ آہ تک نہیں کرتا۔ اس کے سامنے ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر اس کی آنکھوں سے ایک قطرۂ اشک نہیں بہتا۔ برائیاں اس طرح عام ہیں گویا ان کا سیلاب آچکا ہے مگر وہ برائی کا برائی نام دینے اور برائی کرنے والے کو برا محسوس کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔ یہ برائیاں ایک معمولی اور ادنیٰ نمونے ہیں ورنہ اگر ان کے بطن سے پیدا ہونے والے مفاسد اور محاسن کا موازنہ کیا جائے تو شاید بھلائیوں کا تناسب برائیوں سے اتنا بھی نہ ہوگا جتنا سو کا ایک سے یا ایک ہزار سو تک ہے۔

جب عہد حاضر کے بظاہر قریب سکوں کا کھوٹا کھرا سامنے آگیا تو اب اسلام کو پرکھنے کے لئے تاریخ کے چودہ سو صفحے الٹ دیکھئے یہ وہ وقت تھا جب دنیا میں یہ تمام برائیاں موجود تھیں بلکہ دنیا کا حال اس سے بھی بدتر تھا پوری دنیا قتل و غارت اور ظلم و تشدد کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ انسان خود بنی نوع انسان کے خون کو سمندر کا پانی سمجھ بیٹھا تھا۔ عزت و آبرو اور عصمت و عفت نام کی چیز کا کہیں وجود نہیں تھا لوگ اپنے ہاتھوں سے خود اپنے بچوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ طبقاتی اور ذاتی عصبیت نے پورے خطۂ عرب کو انتشار و ابتری کی لپیٹ میں لے لیا تھا اور دنیا کی کوئی برائی نہ تھی جو ان کے اندر نہ پائی جاتی ہو۔ اسلام بیابان کے اس شب تاریک میں ایک قندیل بن کر طلوع ہوتا ہے۔ پھر تہذیب و تمدن میں اتنا زبردست انقلاب رونما ہوتا ہے تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی۔ اب یہ نہ طبقاتی جنگ ہوتی ہے نہ یہ وطنی عصبیت رہتی ہے۔ لوگوں کا قتل و خون جن کا روز روز شیوہ تھا وہی اب ظلم و تشدد کے خاتمہ کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ کل تک جن سے انسان کی آبرو محفوظ نہیں تھی وہی آج پاسبانِ عزت و عفت بن گئے ہیں۔ کل تک جن کے جرائم سے دنیا تنگ تھی آج وہی اصلاح و تہذیب کے علمبردار بن گئے ہیں کل تک جو عورتوں اور بچیوں کو پیوندِ خاک کر دیتے تھے وہی آج ساری دنیا کو اس سے ڈراتے اور خدا کا خوف دلاتے ہیں اور کل تک جو دوسروں کے قتل و خون میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے آج وہ دوسروں کو بھی امن و سلامتی کی تعلیم دینے لگے ہیں۔ غرض صرف ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں دنیا کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور پورا معاشرہ بدل جاتا ہے۔ یا تو وہ زمانہ تھا کہ کارواں کا کارواں اور قافلہ کا قافلہ لٹ جاتا تھا یا پھر ایسا ہوا کہ "صنعاء یمن" کی کیا، تنہا چلنے والی عورت شام تک کا سفر کرنے لگی۔ یہ تھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور اسلامی تعلیمات کے اثرات۔

مارکیٹ کے یہ دو سودے سامنے ہیں۔ ان کا سود و زیاں، ان کے کارنامے اور فوائد و نقصانات بھی سامنے ہیں۔ بس اسی سے ہر طالب حق یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسلام عہد حاضر میں کیا افادیت رکھتا ہے۔ اگر آج کی برائیوں اور رسائل کا موازنہ ایام جاہلیت سے کیا جائے تو کم از کم پلہ برابر ضرور ہوگا پھر وہی اسلام جس نے چودہ سو سال پہلے اس مرض کا علاج کیا تھا آج کیوں نہیں کر سکتا اور جس کی روشنی اس سے بھی گھٹا ٹوپ رات کو روشن کر چکی ہے وہ آج مشعل راہ کیوں نہیں بن سکتی؟

اب سوال یہ ہے کہ آخر اسلام کے اندر وہ کیا خوبی ہے کہ چودہ سو سال پہلے کا یہ لباس آج تک فرسودہ نہیں ہو سکا ہے حالانکہ روز روز کے بننے اور بنائے جانے والے یہ دوسرے

اسلام جس قانون کو پیش کرتا ہے وہاں قانون کی نگاہ سمندر میں تیرتی ہوئی مچھلی اور فضا کے ذرات کو بھی دیکھتی ہے۔

نظامہائے زندگی چند دنوں میں اپنے عجز و ناچاری کا اعلان کر دیتے ہیں اور اس کے باوجود کہ ان کی ساخت اپنے زمان و مکان اور معاشرہ کے مزاج کے مطابق ہوتی ہے اور اسلام چودہ سو سال پہلے خطۂ عرب میں آیا تھا — ؟
شاید اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف قرآن نے اسلام کا تعارف کراتے ہوئے اشارہ کیا ہے:

فطرۃ اللہ التی فطر
الناس علیہا لاتبدیل لخلق
ذلک الدین القیم

یعنی خلاق عالم نے دنیا کو جس فطرت اور خلقت پر پیدا کیا ہے اس نے دین میں بھی اس کی پوری پوری رعایت کی ہے۔ اس نے انسان کے کسی فطری مطالبہ کے ساتھ نہ جبر و اکراہ کا سلوک کیا ہے اور نہ اس کے صحیح درجہ سے اونچا اٹھایا ہے۔ اس آیت سے ایک طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور دوسری طرف یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ دین اور طریق زندگی وہی درست ہوگا جو خلاف فطرت نہ ہو، اس لئے قرآن نے اس مضمون کی وضاحت کے بعد کہا ذلک الدین القیم

انسان کے فطری تقاضے معلوم کرنے کے لئے اس کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز اور حالات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ انسان دنیا میں آنے کے بعد طبعی طور پر سب سے پہلے اپنے جان اور نفس کے تحفظ کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ زندگی بچانے کے لئے خود بخود کھاتا اور پیتا ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی اپنی پیٹ کی آگ بجھانے کو ماں کی چھاتی سے لپٹ جاتا ہے اور جب کچھ قوی ہو جاتا ہے تو اپنے آپ کو دھوپ کی تپش اور سرما کی مہلک ٹھنڈک سے بچانے کے لئے خود کو کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔ یہ سب کچھ انسان لاشعوری طور پر صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کی زندگی محفوظ ہو — پھر ابھی انسان ابھی شعور کو بھی نہیں پہنچتا ہے کہ اس کا دل مال و زر کی محبت کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ناسمجھ بچہ اپنے ہاتھ کا پیسہ اپنے منہ کا لقمہ اپنے تن کا کپڑا اور معمولی معمولی کھلونا بھی دوسروں کو دینے کو تیار نہیں ہوتا — اور جب آدمی شباب کی عمر کو پہنچتا ہے تو بالکل طبعی اور فطری طور پر اس کا میلان اپنی مخالف صنف کی طرف شروع ہو جاتا ہے تاکہ وہ اس سے اپنی خواہشات پوری کر کے بڑھاپے کے لئے سہارا اور زندگی کے لئے کھلونا حاصل کر سکے جسے ہم "تحفظ نسل" سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اسی طرح جب انسان میں پوری طرح عقل و شعور پیدا ہو جاتا ہے تو فطری طور پر وہ اپنے عقلی تقاضوں کی تکمیل شروع کر دیتا ہے اور اپنی عقل کا ایسا غلام اور مطیع ہو جاتا ہے کہ بسا اوقات سماج، سوسائٹی اور والدین کی آواز پر بھی اپنی عقل کے مقابلہ پر کان نہیں دھرتا — پھر جس طرح فطرۃ انسان کے اندر اپنے نفس، اپنی عقل، اپنی نسل اور مال کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح ہر آدمی عقل اور فطرت کے تقاضہ کے تحت کوئی ایسا سہارا تلاش کرتا ہے جو دنیا کی اس تاریک راہ میں اس کے لئے مشعل راہ روشن کر دے اس لئے کہ اس کے پاس علم و تحقیق کے لئے صرف دو ہی ذرائع ہیں "عقل یا احساس" اور یہ دونوں اتنے تنگ دامن ہیں جو چند قدم بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ بالآخر فطرت سلیمہ کی یہ جستجو اسے خلاق عالم تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر جب اس کا دل معرفت الٰہی سے معمور ہو جاتا ہے تو وہ اس کے بھیجے ہوئے دین کو بھی اپنے وجود کے لئے جزو لاینفک بنا لیتا ہے حتیٰ کہ وہ "تحفظ دین" کی راہ میں بسا اوقات اپنی ساری چیزیں لٹا دیتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس منزل کی تلاش میں کبھی وہ بھٹک کر اپنے خالق حقیقی سے دور جا پڑتا ہے غرض دین و نفس اور عقل و نسل اور مال یہ پانچ چیزیں ہیں جن کا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے۔

اسلام کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس نے ان تمام امور کی اس حد تک رعایت کی ہے کہ اگر پوری شریعت اسلامیہ کا تجزیہ کیا جائے تو ان سب کی اساس یہی پانچ چیزیں ہوں گی۔ چنانچہ مشہور مصری مصنف احمد امین نے لکھا ہے

ید ور فی تشریعہ علی
حفظ امور خمسۃ وھی
الدین والنفس والعقل
والنسل والمال ولو
استقرینا اوامر الشرع
ونواھیہ لوجدناھا
ولا تعدی بھذہ الامور
(ضحی الاسلام ص۱۵۷ ج۲)

عقائد و عبادات سے متعلق جو کچھ بھی احکام ہیں یا جہاد فی سبیل اللہ، مرتدین کے قتل، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حدود کے اجراء اور ترغیب و ترہیب سے متعلق جو کچھ بھی باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تحفظ دین کے شعبہ میں داخل ہیں۔ قصاص، اکل حلال کی اجازت، جسم پوشی کا حکم، غلطیوں کی سزا، نظام عدالت اور ظلم و عدل پر ہونے والے عذاب و ثواب کا عقیدہ "نفس کی حفاظت" اور "تقاضائے عقل" کی تکمیل کے لئے ہے اور خرید و فروخت کے قوانین اس سلسلہ میں جواز و عدم جواز اور نفع و ضرر کا معیار متعین کرنا "حفظ مال" کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق اور ازدواج کا مکمل قانون یا حدود کا نفاذ، پردہ کا حکم، جنسی بے راہروی سے ممانعت اس کی محدود اجازت "نسل کی حفاظت" کے پیش نظر ہے۔

اسلام کے علاوہ دنیا میں گذشتہ یا موجودہ دور میں جو نظامہائے زندگی بھی پیش ہوئے وہ ان خصائص اور اوصاف سے خالی تھے۔ کہیں دین ہے تو ایسی رہبانیت کہ صورت کو گناہ کا دروازہ اور مال و دولت کو ایک پاپ سمجھا جاتا ہے، کہیں معاشیات کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ دوسری تمام چیزیں اس کے تابع کر دی گئی ہیں، کہیں نفسانیت اور انتشار پرستی کو اتنا عام کر دیا گیا کہ انسان کی نسل بھیڑ بکریوں کی طرح بے نسب ہو جائے۔ کہیں ناقص عقل کی چوکھٹ پر دین اور اخلاقی اقدار کو قربان کر دیا گیا اور کہیں ایسے باطل دین کی پیروی کی گئی کہ عقل کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔

غرض جس نے فطرت کے ایک گوشے کو اختیار کیا اس نے دوسرے سے صرفِ نظر کر لیا۔

اسلام کی بڑی اور اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ان پانچوں چیزوں میں درجات کا صحیح تفاوت اور توازن برقرار رکھا ہے اور اس کے جس شعبہ کی جسقدر اہمیت ہونی چاہیئے اسے اتنی ہی اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے نظامہائے زندگی میں اگرچہ تمام امور جمع بھی کر دیئے گئے ہیں تو ان میں صحیح توازن اور فرق مراتب ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ کسی نے جنسی خواہشات میں اتنی غیر اعتدالی برتی کہ اخلاق اور "حفظ نسل" کو بالائے طاق رکھ دیا گیا کسی نے "حفظ نفس" کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ جینا اور

سے مغلوب ہو کر سیہ کاری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ڈاکہ ڈالنا اور چوری کرنا جرم ہے مگر مال کی محبت اسے مجرم بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ پوری طرح باخبر رہتا ہے کہ دریا میں ڈوبنے والا اور آگ میں کودنے والا کتنی ہی المناک اذیت سے دوچار رہتا ہے مگر بسا اوقات وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر وہ خودکشی کر لیتا ہے عقل اسے پکار پکار کر کہتی ہے کہ کسی معصوم بچہ کو قتل نہ کرو مگر بغض و عداوت کے جوش میں وہ بے قصور اور بے زبان بچہ کو بھی زندگی سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ حال افراد کا نہیں جماعتوں کا بھی ہے جس کے مظاہر آج ساری دنیا کے سامنے ہیں۔

لیکن اسلام نے اس گتھی کو سلجھانے میں اس

سے اتنی مغلوب ہوئی کہ اس نے زندگی کے ہر مسئلہ کو اسی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا کسی نے مال کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ دوسری تمام چیزیں اسی کی تابع ہو کر رہ گئیں۔ کسی نے رہبانیت اور زہد کی ایسی تسبیح پڑھی کہ گویا انسان آبادی میں نہیں صحرا میں رہنے کو آیا ہو لیکن اسلام کے اصول میں اعتدال ہے وہ دین اخلاق کے تحفظ کو دوسری تمام چیزوں پر فوقیت دیتا ہے پھر جان و مال یا عقل و نسل کی حیثیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ انسان اخلاقی اور مذہبی قدروں کو دوسری تمام چیزوں پر ترجیح دے گا۔ اس کی خواہش یہ ہوگی کہ چوری اور نقب زنی کر کے مال حاصل کرے مگر جب وہ یہ دیکھے

انسان کے فطری تقاضے معلوم کرنے کے لئے اس کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز اور حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔

زندہ رہ لینا ہی دنیا میں آنے کا واحد مقصد ہے اور کسی نے نفس کے تقاضوں سے منہ پھیر کر رہبانیت کی راہ اختیار کر لی ــــ

پہلی چیز یعنی فطری تقاضوں کو معلوم کر لینا انسان کے لئے کوئی اتنا مشکل کام نہیں لیکن ان کے مراتب اور درجات کا تفاوت جان لینا اس سے کہیں اہم اور کہیں دشوار ہے اور یہ اس لئے کہ چیزوں کا صحیح توازن وہی برقرار رکھ سکتا ہے جو خود ان جذبات سے مغلوب نہ ہوتا ہو لیکن جو خود ان سے مغلوب ہو جائے تو وہ ان میں کبھی صحیح توازن نہیں پیدا کر سکتا۔ اگر قاضی یا جج خود ہی کسی فریق کی طرف جھک جائے تو پھر اس سے کیونکر عدل و انصاف اور غیر جانبدار فیصلہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ اصول صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر کوئی معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ انسان بہر حال اپنے جذبات کے آگے مجبور ہے۔ وہ برائی کو برائی اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے بھی اپنی شہوت

لئے کامیابی حاصل کی کہ اس کے علم کا سرچشمہ انسانوں کا دل و دماغ نہیں خدائی رشد و ہدایت ہے جس کے بارے میں جذبات سے مرعوب ہونے اور غیر متوازن نظام قائم کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ وہ بنیادی فرق ہے اسلام اور غیر اسلامی نظام کا جو دونوں کو الگ راہ اور دو علیحدہ راستہ پر لے جاتا ہے۔ پہلا نظام وہ ہے جو ان کے وقتی جذبات کے بجائے مجموعی فوائد و نقصان کو سامنے رکھ کر وضع کیا گیا ہے اور دوسرا وہ ہے جو کسی خاص قوم یا نسل یا جماعت کے وقتی جذبات کے پیش نظر وجود میں آیا ہے۔ پہلا وہ ہے جس کی لگام خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا وہ ہے جو خدا کی مرضی سے برگشتہ اور زمین کے مالک سے بیزار اور بے پروا ہو کر بنایا گیا ہے۔

بہرکیف انسان کی اس کمزوری کا اثر اس کے بنائے ہوئے نظام پر بھی پڑنا ناگزیر ہے چنانچہ کوئی جماعت اپنی شہوت اور جنسی خواہشات

گا کہ اس کے دین میں "حصول مال" کا یہ طریقہ درست نہیں تو وہ رک جائے گا۔ وہ نفس کی خواہشات سے مغلوب ہو کر معصیت کاری پر اتر آئے گا مگر جب اللہ کا حکم اس کے کان تک پہنچے گا تو وہ اس سے باز آ جائے گا۔

اور جب انسان میں یہ جذبۂ خیر پیدا ہو جائیگا تو خود بخود برائیاں مٹ جائیں گی اور فرد اپنی جگہ امن و چین اور سکون و سلامتی محسوس کرے گا لیکن جن کے یہاں اولیت مال کی حفاظت یا شہوت کی تکمیل یا اس نوعیت کی دوسری چیزوں کو حاصل ہوگی وہ ظاہر ہے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان تمام اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دے گا جو اس سے متعارض ہوتی ہوں۔ پیٹ یہ دعوت دے گا کہ میرے آرام و آسائش کا سامان کرو چاہے اس کے لئے کسی کا گھر اجڑے اور کسی کا خون بہے وہ اس کا اتباع شروع کر دے گا۔ نفس یہ کہے گا کہ میری ہوس پوری کرو چاہے کسی کی عصمت و عفت

کا جنازہ نکل جائے وہ اس کی پیروی کرنے لگے گا۔ زندگی کہے گی کہ میری بقاء کی خاطر ہر ناجائز کو اور ہر ظلم و ستم کو روا کر دو اور وہ ایسا ہی کر گزرے گا لیکن یہاں مسئلہ اس کے برعکس ہے یہاں نفس کی ان تمام خواہشات کو مروڑ دیا جائے گا جو دین اور اس کی اخلاقی قدروں سے متصادم ہو رہی ہیں۔ جب انسان دین کو مقدم کرے گا تو اس کا اصول ہے لاضرر ولاضرار یعنی نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ پہنچاؤ۔ ایسا بھی نہ ہو کہ زہد و اتقاء کے جوش میں تم دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ اور جنگل کی راہ لے لو اور تمہارے اہل و عیال کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہاری حرص و ہوس کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائے کہ تم دوسروں کے لئے بھی پریشانی کا باعث بن جاؤ۔ اس لئے وہ اس حد تک پیٹ اور نفس کا حق ادا کرے گا جو اس کا حق ہو۔ وہ اس کو خوش کرنے کو دوسروں کی حق تلفی کا گناہ اور اپنے خالق کی ناراضگی نہیں مول لے گا۔

یہی وہ بنیادی چیز ہے جو اسلام کو دوسرے تمام نظام زندگی سے ممتاز کرتی ہے — آج مستشرقین نے اسلام پر طرح طرح کے حملے کئے ہیں کسی کو اسلام کا نظام جرم و سزا دقیانوسی نظر آتا ہے۔ کسی کو نظام ازدواج و معاشرت غیر منصفانہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی کو اسلام کے قانونِ وراثت سے اختلاف ہے کسی کو اس کا نظم معیشت غیر عادل اور غیر نافع محسوس ہوتا ہے ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے معاشرہ کے مجموعی فوائد و نقصان کے بجائے اپنے وقتی جذبات سے مجبور ہو کر کسی ایک کی جانبداری شروع کر دی ہے۔ کوئی عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کے جوش میں اس حد تک گذر گیا کہ مرد و زن کے فطری اور خلقی تقاضوں کی بھی پرواہ نہیں کی گئی۔ کسی نے مزدور طبقہ کی محبت میں سرمایہ داروں کو ان کے صحیح حق سے دستبردار کر دیا۔ کسی نے سرمایہ دارانہ نظام کی رعایت میں ذخیرہ اندوزی اور سود خوری کو بھی سند جواز عطا کر دی اور کسی نے مجرمین کی ایسی حمایت شروع کر دی کہ جرائم کو فطری حق قرار دیا جانے لگا۔ اس کے برخلاف اسلام کی نظر معاملہ کے ہر دو جانب اور مسئلہ کے ہر دو پہلو پر ہے۔ اسلام تصویر کے ایک رخ کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ اشیاء کے مجموعی فوائد و نقصان کو پیش نظر رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کا وضع کردہ قانون جرم کی شناخت دن کی روشنی یا کم از کم آنکھ کی روشنی میں کر سکتا ہے لیکن اس کی نگاہ کا محدود دائرہ اور اس کے علم کے محدود وسائل جہاں سے اپنی مجبوری کا قصہ سنائیں گے وہاں سے قانون کے بخیے ادھیڑ دیئے جائیں گے۔ شر و خیر کے درمیان سے امتیاز کا پردہ اٹھا دیا جائیگا۔ اچھے اور برے کی تمیز ختم ہو جائے گی اور برائی کرنے والا دل کھول کر

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

عملی مظاہرہ کرتا رہے مگر وہ اس کے سدباب کے لئے کوئی نسخہ نہیں رکھتا، قانون کی یہ مجبوری دیکھ کر رات کی تاریکی میں اس کے ہاتھ بے خوف و خطر نقب زنی اور رہزنی کریں گے، اس کی تلوار بے جھجک مظلوموں اور کمزوروں کے خون سے اپنی پیاس بجھائے گی۔ اس کا نفس خلوت گاہوں میں عفت و عصمت پر حملے شروع کر دے گا۔ عدالت میں اس کی زبان جھوٹی گواہیاں دے کر بے قصور کو باقصور ثابت کرے گی۔ غرض برائیاں سب کی سب ہوں گی مگر چور بازاری کے ساتھ اس لئے کہ تصور یہ ہو گا کہ اپنے اعمال و اطوار کا حساب فقط اس عدالت دنیا میں ہے جس کی آنکھیں اور جس کے کان ابھی میرے لئے اندھے اور بہرے ہیں اس عدالت کے بس میں یہ ہے مجرم کو جیل کے خلوت خانے اور زیادہ سے زیادہ پھانسی کے تختے پر پہنچا دے جہاں (ان کے عقائد کے مطابق) چند منٹوں کی تکلیف کے بعد پھر تکلیف نام کی کوئی چیز اور حساب و کتاب نام کی کوئی مصیبت نہیں ہو گی لیکن اسلام جس قانون کو پیش کرتا ہے وہاں قانون کی نگاہ سمندر کی تہ میں تیرتی ہوئی مچھلی اور فضاء کے ذرات کو بھی دیکھتی ہے۔ وہ ہزار پردوں کے پیچھے ہونے والی معصیت اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں ہونے والی زیادتیوں کو بھی دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ جس کے ہاتھ جس کی گردن اور جس کے جسم عدالت کی تلوار سے بچ کر یہاں آئیں گے ان کے جرم کی پاداش کے لئے ایسی بھٹیاں اور ایسے ہتھیار ہوں گے جس پر ایسی ایسی سینکڑوں تکلیفیں قربان ہوں۔ جب دل میں یہ احساس اور دماغ میں یہ افکار گھر کریں گے تو دل و دماغ کا یہ تصور لامحالہ اس کے طرز عمل اور کردار کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دے گا اور گناہ کرنے والا لاکھ چھپ کر گناہ کرے مگر اس تصور سے وہ تھرا اٹھے گا اس کے ہاتھ لرز جائیں گے، اس کے قدم ٹھٹک جائیں گے کہ قانون اور انسان کی آنکھیں اگرچہ ابھی مجھے دیکھنے سے قاصر ہیں مگر وہ دیکھ رہا ہے جو انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں اس "قانون" کی باگ ڈور ہے۔

غرض کہ اس انسانی قانون میں" دیدہ و دانش" جہاں سے اپنی تنگ دامانی کا اعلان کریں گے وہیں سے جرائم اور معاصی کو کھلی چھوٹ اور مکمل آزادی اور گناہ کرنے والا بے لگام اور بے باک ہو کر اپنا کارنامہ انجام دیتا پھرے گا لیکن اسلام جو قانون پیش کرتا ہے اس پر عمل کرنے والا خلوت سے جلوت، روشنی سے تاریکی، ظاہر سے باطن، تن سے روح اور دن سے رات تک ہر ہر لمحہ اور ہر ہر نفس کو ایک داروغۂ داروگیر کی حراست میں محسوس کرے گا اور دنیا کے ہر مادی اور ظاہری عیش کی اوٹ میں اس کے سامنے درد و سوز کی بھیانک تصویر رقص کرتی نظر آئے گی۔ اس قانون پر چلنے اور چلانے کے لئے ہر وقت تلوار کی نوک درکار ہو گی لیکن یہاں دل کا احساس اور خدا کا یقین تلوار سے کہیں زیادہ کام کرے گا۔ یہ کوئی خوش عقیدگی نہیں ہے بلکہ عہد اقتدار میں نشو و نما پانے والے تمدن کا حرف حرف اس حقیقت پر شاہد ہے۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے حضرت ماعزؓ سے زنا کاری کا ارتکاب

بقیہ صفحہ ۱۹ پر

مکتوب (قاری) محمد شریف بہاولنگر

تقریب جشن صدسالہ دارالعلوم دیوبند

۲۲ اور ۲۳ اپریل ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ اتوار کی شدت سے انتظار تھی اس لیے کہ یہ دن اہل بہاولنگر کے لئے انتہائی پُرمسرت اور خوشی کا دن تھا۔ کیوں نہ ہوتا، اس لئے کہ ان دنوں میں جشن صدسالہ دارالعلوم دیوبند مدرسہ عربیہ ضیاء القرآن ریلوے جامع مسجد بھاولنگر میں منایا جا رہا تھا۔ جس کی تیاریاں بڑے زور شور سے جاری تھیں آخر وہ دن بھی آہی گیا، اور جشن دارالعلوم دیوبند کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ یہ جشن ریلوے جامع مسجد کے وسیع و عریض صحن میں منعقد ہوا۔ لوگ چہار اطراف سے جشن کی خوشیاں اور دارالعلوم دیوبند سے والہانہ محبت دلوں میں لئے ہوئے گروہ در گروہ ۲۲ اپریل کی صبح کو آنا شروع ہو گئے۔ منتظمین جلسہ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ ہر کارکن اپنی ڈیوٹی پر مستعد نظر آرہا تھا اور ہر کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا تھا۔ جلسہ کی پہلی نشست کا آغاز گیارہ بجے دن ہوا۔ آغاز جلسہ تلاوت قران پاک حافظ عبدالوہاب عرف مومن نے کیا۔ یہ مدرسہ کے طالب علم ہیں اور کراچی کے رہنے والے ہیں۔ درجہ حفظ قرآن میں داخل ہیں۔ نظم و نعت محمد شفیع صاحب فورٹ عباس والے اور عبدالرشید دیوانہ محمد پور سنساراں والے نے پڑھی۔ پہلی تقریر کا آغاز فاضل نوجوان حافظ محمد الدین نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع سے کیا۔ بعد ازاں احمد شاہ صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب مبلغ تحفظ ختم نبوت نے تقریر فرمائی۔ یہ نشست دوپہر دو بجے تک جاری رہی۔ نماز ظہر ادا کی گئی۔ بعد نماز ظہر دوسرا اجلاس ڈھائی بجے شروع ہوا۔ تلاوت قرآن پاک حضرت عبدالوہاب صاحب نے کی اور نظم و نعت کے بعد فاضل اجل مولانا اللہ یار صاحب نے توحید و رسالت کے موضوع پر ایمان افروز تقریر فرمائی اور مجمع کو گرمایا۔

تیسرے اجلاس کا آغاز ۲۲ اپریل شب کو "تلاوت قرآن پاک سے ہوا جو کہ شمس العالم صاحب نے کی"۔ پونے نو بجے اجلاس شروع ہوا۔ نعت و نظم کے بعد پہلی تقریر حاجی چراغ الدین صاحب، مالک ہوٹل منعت کدہ کی صدارت میں مولانا اللہ وسایا صاحب فیصل آباد والے مبلغ تحفظ ختم نبوت نے علماء دیوبند کے کارناموں اور جہاد شاملی پر روشنی ڈالی۔ ان کے بعد مولانا نذیر احمد صاحب مبلغ ختم نبوت نے تقریر فرماتے ہوئے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی ان کی تقریر کے متصل بعد حافظ محمد شریف صاحب منچن آبادی نے ایک پُرجوش اور خوش الحان نظم پیش کی جس کا عنوان یہ تھا

یوں تو سارے نبی محترم ہیں مگر
سرورِ انبیاء تیری کیا بات ہے
رحمت دو جہاں تیری کیا بات ہے
اے حبیب خدا تیری کیا بات ہے

دس بج کر دس منٹ پر مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب حجازی مبلغ تحفظ ختم نبوت نے اپنی تقریر کا آغاز جشن صدسالہ دارالعلوم دیوبند سے فرمایا اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہندوستان میں چند فتویٰ فروشوں نے مرزا قادیانی کی نبوت کے دعوے کو صحیح قرار دیا۔ مساجد کو گرا کر کلیسا میں تبدیل کرایا اور کئی ہزار قرآن پاک خرید کر سمندر برد کر دیئے گئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ دینی کاموں میں چندہ دینا حرام سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود دارالعلوم دیوبند کی بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے رکھی۔ مدرس حضرت ملا محمود میرٹھی ہوئے اور طالب علم مولانا محمود الحسن صاحب۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہندوستان میں کلمہ پڑھنے والا کوئی نہ ہوتا۔ دیوبند نے پانچ پھول پیدا کئے :-

۱۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
۲۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی
۳۔ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری
۴۔ مولانا محمد الیاس صاحب
۵۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے فرمایا کہ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک انگریز کو اس ملک سے نہیں نکال دیا جائے۔ آپ نے پندرہ سال جیل کاٹی اور اٹھارہ سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائی۔

مولانا منظور احمد شاہ صاحب نے تقریر کرتے

ہوئے کہا کہ کالج نے لیاقت علی اور محمد علی جناح جیسے انسان پیدا کئے تو دیوبند نے مولانا انور شاہ کشمیریؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مفتی محمودؒ جیسے مرد مجاہد پیدا کئے۔

دیوبند کی تاریخ نے بائیس لاکھ کافروں کو حلقہ اسلام میں داخل کیا۔ تقریباً بیس ہزار مدرسے ہیں جو دیوبند کی شاخ ہیں اور پوری دنیا میں اسلامی مشن کا کام کر رہے ہیں۔

اسی نشست میں پیر سید احمد حسن شاہ صاحب چشتی' جنرل سوٹر کی صدارت میں مولانا زاہد الراشدی صاحب' ناظم آل پاکستان جمعیۃ علماءِ اسلام نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"آج دیوبند اس مدرسہ چار دیواری
کا نام نہیں بلکہ اس تحریک کا
نام ہے۔ اسی قافلہ کا نام ہے جس
نے اس دھرتی پر انگریز ظالم
کو للکارا اور ظالم انگریز کو اس سرزمین
سے بوریا بستر سمیٹ کر جانے پر
مجبور کر دیا۔ دہلی کی جامع مسجد
میں مہر درویش محدث
دھلوی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز
نے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا۔ ان کے

بعد حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب طارق صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز گیارہ بج کر پچیس منٹ پر کرتے ہوئے تاریخ دیوبند اور اسلاف دیوبند پر روشنی ڈالی اور اپنے مخصوص انداز میں مجمع پر چھا گئے۔ اسی دوران ساڑھے بارہ بجے شب بارش شروع ہو گئی لیکن مجمع جوں کا توں رہا اور لوگ تقریر سے محظوظ ہوتے رہے۔ آپ کا بیان رات ڈیڑھ بجے تک جاری رہا اور اختتام دعا کے ساتھ بخیر و خوبی یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

۲۳ اپریل کی صبح ساڑھے دس بجے پہلی نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تقریر کا آغاز تلاوت کلام پاک سے حافظ عبدالوہاب نے کیا۔ بعد ازاں مولانا خدا بخش صاحب فاتح ربوہ مبلغ تحفظ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتے ہوئے مرزائیوں کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت سے پردہ چاک کرتے ہوئے ان کے ناپاک عزائم کی قلعی کھولی اور آئندہ کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کے لائحہ عمل کو پیش کیا۔

دوسری تقریر مولانا شہاب الدین صاحب نے پنجابی زبان میں اپنی شیریں بیانی سے شروع کی۔ آپ نے توحید و رسالت کے مضمون پر سیر حاصل تقریر کی اور یہ اجلاس پونے دو بجے ختم ہوا۔

دوسرا اجلاس بعد نماز ظہر ڈھائی بجے تلاوت کلام پاک کے بعد قاری عبدالسلام صاحب نے علماءِ دیوبند اور انکے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے تقریر کی۔ قاری صاحب کی تقریر کے بعد مولانا قاضی عبداللطیف صاحب شجاع آبادی نے عقائد علماءِ دیوبند پر روشنی ڈالی۔ یہ اجلاس پونے دو بجے حضرت مولانا محمد شریف صاحب نائب امیر آل پاکستان جمعیۃ علماءِ اسلام کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

۲۳ اپریل شب کو جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند کی آخری نشست ہوئی۔ لوگ اعلان سن کر ریلوے مسجد بہاولنگر کی طرف رواں دواں ہیں۔ عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ لوگ شوق و جذبات لئے ہوئے جلسہ کے آغاز کے منتظر ہیں۔ مائک سے جلسہ کے آغاز کا اعلان کیا جاتا ہے، لوگ جو باہر کھڑے اور ٹہل رہے ہیں اور مختلف محلوں اور مختلف مساجد سے آئے ہوئے ہیں مسجد کے صحن میں آتے ہیں اور صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم الحروف نے انجام دیئے۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ قاری نیاز علی اور حافظ محمد شریف صاحبان اپنی خوش الحان آوازوں میں مجمع کو گرماتے ہیں۔ اب مائک پر جناب مولانا شبیر احمد صاحب حسینی تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہد بول رہے ہیں اور مجمع ان کی جوشیلی تقریر سے جوش و ولولے کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر کو [illegible] ہے۔ [illegible] حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ساہیوال تشریف لاتے ہیں اور مائک مولانا بشیر احمد شاد سنبھالتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بیان فرماتے ہیں۔ آج کی اس نشست کی صدارت برادرم مولانا عبدالغفار صاحب فاضل جامع العلوم کرتے ہیں۔ تقریباً گیارہ بجے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مدرسہ ضیاء القرآن ایک چھوٹی سی شاخ ہے اس بڑے مدرسہ دیوبند کی، اسی طرح دوسرے مدارس بھی اس کی شاخیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سال کے آخر میں دیوبند میں جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند منایا جا رہا ہے۔ یہ مسئلہ پاکستان کے لئے اس لئے دلچسپی کا باعث ہے کہ اس ملک میں دیوبند کے فارغ شدہ فضلاء و علماءِ کرام موجود ہیں۔ دارالعلوم نے ایک بڑا کام کیا۔ دارالعلوم نے نہ صرف شخصیتیں پیدا کیں بلکہ طبقے پیدا کئے، دارالعلوم نے جماعتیں پیدا کیں۔ ہماری معلومات کے مطابق اٹھارہ طبقے اور ایک معلومات کے مطابق بتیس طبقے پیدا کئے۔ دارالعلوم نے صرف اسلام کے نام کو ہی زندہ نہیں رکھا بلکہ اسلام کے کام کو زندہ کیا۔ انگریز آیا اور اس نے جال پھیلایا۔ علماءِ دیوبند نے انگریز کی سازش کے خلاف اسلامی مدرسے جاری کئے۔ یہ عربی مدارس کا صدقہ ہے کہ پورے پاکستان میں نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چل رہی ہے۔ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! پاکستان میں اسلامی نظام نافذ فرما۔ حرمین شریفین کے مسلمان بھی پاکستان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت مولانا نیاز احمد صاحب مہتمم مدرسہ جامعہ علوم کی صدارت میں بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد نے گیارہ بج کر تینتالیس منٹ پر اپنی تقریر کا آغاز ایک پُر وقار انداز سے کیا۔

آپ نے بڑے سنجیدہ طریقہ سے علمائے دیوبند کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا

دیوبند اسلام کا ایک مضبوط
[illegible] قابل تسخیر قلعہ ہے جسے
کوئی کوئی طاقت مسمار
نہیں کر سکتی اور [illegible] دیوبند

اسلام اور پاکستان کی عظیم قوت ہیں جو کہ ہر وقت اور ہر آن اس کی حفاظت کے لئے چوبیس گھنٹے دشمن کی تاک میں ہیں تاکہ کوئی بھی اسلام یا پاکستان کا دشمن اس پر حملہ نہ کر دے۔ علماء دیوبند نے ثابت کر دیا ہے کہ جب بھی اسلام یا پاکستان پر کسی دشمن نے حملہ کیا ہے تو یہ سینہ تان کر میدانِ عمل میں نکل آئے اور اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

یہ تقریر ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہی۔ آخر میں مولانا عبدالحفیظ صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ ضیاء القرآن ریلوے جامع مسجد بہاولنگر نے آنے والے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

تقریب جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

بقیہ: اسلام کی افادیت

ہو گیا۔ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے اور کہنے لگے میں ہلاک ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ حضرت ماعزؓ نے پھر اصرار کیا اور اسی طرح چار دفعہ ہوتا رہا۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا صرف بوسہ تو نہیں لیا۔ فرمایا نہیں مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے۔ اور بالآخر گناہ کے احساس نے ان کو اپنی جان دیدینے اور خود کو سنگسار کرا لینے پر مجبور کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کیا تاریخ دیانت اور روشن ضمیری کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔ نہ ان کو کسی آنکھ نے دیکھا تھا نہ کسی کو اس کا علم تھا۔ احساس اور فکر آخرت کے سوا کوئی قوت نہ تھی جو ان کو پتھر کھا کر جان دے دینے اور زندگی دیدینے اور زندگی تسلیم کر دینے پر مجبور کر دے۔

انسان کے علم یا اس کے تجربہ کا تعلق ایک خاص زمانہ، علاقہ اور سماج سے ہوتا ہے اس لئے اگر اس کے بنائے ہوئے اصول زندگی ایک خطہ سے نکل کر دوسرے خطہ اور ایک زمانہ سے گذر کر دوسرے زمانہ میں اپنی افادیت کھو دیں تو جائے تعجب نہیں لیکن اسلام جس "علام الغیوب" اور "حیّ لا یموت" کا نازل کردہ قانون ہے اس کا علم کسی خاص زمانہ یا علاقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے اگر اس کی افادیت ہمہ گیر اور ہمہ وقت ہے تو ہونی ہی چاہیئے۔

پس جب تک یہ انسانیت اپنے مالک سے برگشتہ اور اپنے خالق سے بیزار ہو کر یہ گتھی سلجھانا چاہے گی وہ سلجھنے کے بجائے الجھتی رہے گی۔ وہ جب تک خدا کا سہارا نہیں لے گی ٹھوکر کھائے گی اور کھاتی رہے گی لیکن اس دین خداوندی نے جس طرح انسانیت کے اس مسئلہ کو آج سے چودہ سو سال پہلے حل کیا ہے بالکل اسی طرح آج بھی حل ہو سکتا ہے ؎

مثل بھیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

بقیہ: سیاست اور دین

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے خدمات سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے بانی پاکستان کہتے تھے کہ حضرت یہ پاکستان آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان کی پرچم کشائی اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کی پرچم کشائی فرمائی۔ ادھر مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کی پرچم کشائی فرمائی اور ان دونوں اکابر کا تعلق علماء دیوبند سے تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علماء دیوبند نے ہر محاذ پر دین اسلام کی خدمات بخوبی سرانجام دیں، اور ہر اس باطل قوت کو جس نے اسلام کے نظریات کو مشتبہ کرنے کی کوشش کی علمی دلائل سے جھوٹا ثابت کر کے دکھایا۔

بقیہ: دارالعلوم دیوبند کا کردار

شفقت فرمائی اور ملتان تشریف لائے۔

قاری محمد طیب صاحب کی تقریر:

قاری صاحب نے اپنے خاص انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے آنے کا مقصد تو یہ ہے کہ بزرگوں کی زیارت ہو، مقصد بزرگوں، دوستوں اور اقربا سے ملاقاتیں ہیں۔

تقریر تو تب ہو کہ کوئی جلسہ ہو۔ جس طرح زندہ مچھلی کو خشکی سے پانی میں منتقل کر دینے سے اسے خوشی ہوتی ہے مسرت اور سکون میسر آتا ہے اسی طرح ہمیں طلباء سے مل کر راحت ہوتی ہے۔ میں بحیثیت ایک طالب علم کے یہاں آیا ہوں۔

آج بعد نماز عصر مدرسہ خیر المدارس میں دعوت استقبالیہ دی گئی اور بعد نماز مغرب دستار بندی کی تقریب اور جلسہ میں قاری صاحب شریک ہوئے۔

بسلسلہ نظام اسلام کا نفاذ کیونکر ہو

یہ بھی تب جبکہ ان میں فطری علامات بلوغ ظاہر نہ ہوں ورنہ اصل معیار بلوغت وہی علامات ہیں اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ووٹر کی قابلیت کے لئے یہ عمر ہونی چاہیئے تو اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں لیکن اس میں "سن بلوغت" کی تعبیر درست نہیں کہ اس سے کئی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تعبیر ایسی اختیار کرنی چاہیئے جو باعثِ اشکال بھی نہ ہو اور کوئی الجھن بھی پیدا نہ کرے۔

آخر میں ہم جناب کرنل صاحب کو نظام اسلام کے نفاذ کے مبارک جذبہ پر مبارکباد کہتے ہوئے یہ مشورہ دیں گے کہ وہ اگر اس سلسلہ میں مجتہدانہ حیثیت سے کار [illegible] نجام دینا چاہتے ہیں تو وہ پہلے علوم شرعیہ جیسے علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم اصول فقہ، علم فقہ، علم سیرت اور [illegible] متعلقہ دیگر علوم کو حاصل کریں۔ پھر اسلامی قانون کی ضخیم کتب کے دامن پر پھیلی ہوئی اسلاف و فقہاء کی کاوشوں کا بالتفصیل مطالعہ کریں۔ پھر "میرے خیال میں یا میرے قیاس میں" والی بات کریں ورنہ علوم شرعیہ سے تہی دامن اور

ایڈیٹر کے نام......

کیا زکوٰۃ کو ٹیکس کے مترادف قرار دیا جا سکتا ہے؟

منیر احمد منور

جناب لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خاں (ریٹائرڈ) کے نام

مکرمی! تسلیم

آپ کے مؤقر جریدہ کی وساطت سے جناب کرنل صاحب موصوف سے نصف ملاقات میں کچھ ضروری گذارشات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

::::

جناب کرنل صاحب کا مرتب کردہ رسالہ 'نظام اسلامی کا نفاذ کیوں کر ہو' نظر سے گذرا۔ اس میں جہاں انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں کچھ معقول تجاویز پیش کی ہیں وہاں انہوں نے نہ صرف یہ کہ قانون اسلام کی بعض دفعات کی غلط انداز میں تشریح کی ہے بلکہ اسلامی قانون سے متصادم نظریات پیش کئے ہیں۔ ہم اس صحبت میں ان کو از راہ ہمدردی و خیر خواہی انہیں خامیوں اور کمزوریوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) فاضل مرتب نے ص۱۱ پر زکوٰۃ و صدقات کو ٹیکس قرار دیتے ہوئے کہا ہے "اس (یعنی زکوٰۃ) کا ٹیکس ہونا کوئی معیوب بات نہیں ہے" جناب والا! زکوٰۃ اور ٹیکس دونوں کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ نماز کی طرح عبادت ہے اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے جبکہ ٹیکس عبادت کے مفہوم سے خالی ہوتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کا انکار کفر ہے جبکہ ٹیکس کے انکار سے ایمان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۳۔ ٹیکس لوگوں پر زبردستی عائد کیا جاتا ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بخوشی قبول کریں۔ عائد کنندہ کو برحق مانیں اس کے برعکس زکوٰۃ کے عائد کنندہ یعنی صاحب شریعت کو برحق ماننا فرض ہے۔

۴۔ ٹیکس کا نفاذ حکومت کرتی ہے اور زکوٰۃ کا نفاذ براہ راست خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔

۵۔ ٹیکس سڑکوں، پلوں، نہروں، دفاتر اور مساجد وغیرہ تمام رفاہ عامہ کے امور پر صرف ہو سکتا ہے مگر زکوٰۃ ان پر خرچ نہیں ہو سکتی۔

۶۔ جس مال پر ٹیکس لاگو ہوگا اس کی نوعیت، مقدار اور اس میں عائد ہونے والے ٹیکس کی مقدار یہ سارے امور حکومت کی رائے پر ہیں جبکہ زکوٰۃ میں یہ سارے امور خدا تعالےٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں جن میں کسی کو دم زدن کی مجال نہیں۔

۷۔ ٹیکس یومیہ ماہانہ سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ غرضیکہ حکومت جیسے مقرر کرنا چاہے مقرر کر سکتی ہے مگر زکوٰۃ سال کے بعد ادا کرنی پڑتی ہے اس سے پہلے کوئی حکومت وصول نہیں کر سکتی۔

۸۔ ٹیکس کا کوئی مصرف متعین نہیں جبکہ زکوٰۃ کے مصارف قرآن کریم میں متعین کر دیئے گئے ہیں۔

زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان اتنے واضح فرق کے باوجود زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینا یقیناً معیوب بات ہے کہ زکوٰۃ کے لئے ٹیکس کی تعبیر اختیار کرنے سے ٹیکس کی خصوصیات سامنے آئیں گی اور زکوٰۃ کی خصوصیات نظروں سے اوجھل ہو جائیں گی کیونکہ ہر شے کا مخصوص نام و مخصوص تعبیر اسی شے کی خصوصیات کو ظاہر کر سکتی ہے اور دوسری اشیاء کی خصوصیات کو ظاہر نہیں کر سکتی اور اسلامی تعبیرات کے بجائے غیر اسلامی تعبیرات کو قوانین اسلام میں استعمال کرنا اس دور کا عظیم ترین فتنہ ہے جس میں موصوف بھی مبتلا نظر آتے ہیں اسی لئے انہوں نے زکوٰۃ کے لئے ٹیکس کی تعبیر استعمال کر کے دونوں کو ایک درجہ میں رکھ کر زکوٰۃ کے ساتھ ٹیکس والا معاملہ روا رکھا ہے۔

۲۔ اسی مذکورہ کتابچے پر مرتب نے کہا ہے "کوئی اسلامی حکومت جب مسلمانوں سے کسی قسم کے ٹیکس وصول کرتی ہے یا عطیات دینے کی اپیل کرتی ہے تو وہ اسلامی اصطلاح کی رو سے زکوٰۃ اور صدقہ کہلائیں گے۔"

یہ اصطلاح نہ اسلامی ہے اور نہ اسلامی قانون کی رو سے درست! کیونکہ اسلامی حکومت اپنی مسلمان رعایا سے جو کچھ وصول کرتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ عشر ۲۔ زکوٰۃ ۳۔ [illegible]

یعنی عشر و زکوٰۃ کے علاوہ اجتماعی ضرورتوں کے لئے عائد کیا ہوا دائمی ٹیکس نوائب[۴] یعنی کسی ہنگامی ضرورت پڑنے پر ہنگامی ٹیکس (ہدایہ ص ۱۲۵ ج ۳) پھر عشر و زکوٰۃ اور رواتب و نوائب کے مصرف بھی جدا جدا ہیں اور بیت المال میں حکومت کی ان مختلف آمدنیوں کی مدت بھی مختلف ہیں۔ لہذا ان ٹیکسوں کو زکوٰۃ گننا اور زکوٰۃ کی مد میں شامل کرنا کسی طور پر درست نہیں ہے۔

۳۔ فاضل مصنف ص ۱۲ پر لکھتے ہیں:

"یہ (یعنی نصاب زکوٰۃ) رعایت
اتنی کم ہے کہ میں سمجھتا ہوں
کہ اسے چھوٹے کو اور کم نہیں
کیا جا سکتا لیکن کوئی حکومت
اس رعایت کو بڑھانا چاہے
تو بڑھا سکتی ہے۔"

عرض یہ ہے کہ زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج کی طرح ایک عبادت ہے صرف ذریعہ آمد نہیں اور جتنی بھی عبادات ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حدود متعین ہیں جو نا قابل ترمیم اور نہ قابل تنسیخ ہیں۔ لہذا زکوٰۃ کا جو نصاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و متعین ہے وہ ایسے ہی محکم اور غیر متغیر ہے جیسے نماز، روزہ اور حج کے احکام اور اگر فاضل مصنف نصاب زکوٰۃ میں تبدیلی کا نظریہ رکھتے ہیں تو کیا نماز، روزہ اور حج کے احکام و حدود میں بھی تبدیلی کی جرأت کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے مصنف زکوٰۃ کو عبادت نہیں سمجھتے صرف حکومت کی معاشی منصوبہ بندی میں ایک ذریعہ آمدنی تصور کرتے ہیں۔ پھر یہ نکتہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مصنف کو سرمایہ دار طبقہ پر تو ترس آیا اور نصاب میں ترمیم کا نظریہ پیش کر دیا فقیروں اور غریبوں پر کیوں ترس نہ آیا؟

۴۔ کرنل صاحب ص ۱۳ پر فرماتے ہیں

"اور مویشیوں کے قیمتیں اور
شرحیں مختلف ہوتی ہیں
اس لئے ان میں بظاہر
الجھاؤ ہے۔"

جناب من! آپ خود ہی الجھ گئے ورنہ حدیث شریف اور فقہ میں پوری تفصیل موجود ہے کہ کن جانوروں میں اور کتنے جانوروں میں کتنی زکوٰۃ آتی ہے؟ اور وصولی کا طریقہ کیا ہے؟ اگر اس ساری تفصیل کا مطالعہ کر لیا جائے تو کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہتا اور اگر صحیح مطالعہ کے بغیر اسلامی قانون کی تشریح میں عقل و قیاس کے گھوڑے دوڑانے کی کوشش کی گئی تو پھر قدم قدم پر کانٹے بھی ہیں اور الجھاؤ بھی جس میں بڑے بڑے شہسوار بھی الجھ کر رہ جائیں گے۔

۵۔ چونکہ کرنل صاحب نے پہلے زکوٰۃ کی تعریف یہ کی ہے کہ جو کچھ حکومت اپنی مسلمان رعایا سے وصول کرے وہ اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ ہے اس لئے آگے چل کر ص ۱۳ پر یہ کہنا کہ

"زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار
سال پورا ہونے پر لی جاتی
ہے۔"

درست نہیں کیونکہ سال کی شرط صرف اس زکوٰۃ کے لئے ہے جو فرض ہے اور عبادت ہے زکوٰۃ کے علاوہ جو حکومت اپنی مختلف ضرورتوں کے تحت اہل ثروت پر ٹیکس لگاتی ہے یا عطیات کی اپیل کرتی ہے اس کے لئے سال یا کوئی اور مدت شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہے بلکہ اس معاملے کو خلافت اسلامیہ کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اگر بالفرض حکومت کو فوری طور پر کوئی مالی ضرورت پیش آجاتی ہے جو بیت المال سے پوری نہیں ہو سکتی اور ابھی سال بھی پورا نہیں ہوا تو کیا اس صورت میں بھی کرنل صاحب یہی کہیں گے کہ سال سے پہلے حکومت کچھ نہیں لے سکتی؟ علاوہ ازیں ذخیرہ احادیث میں بکثرت ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اخلاقی اپیل کی ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں میں عطیات دیتے رہیں اور جمع زر سے احتراز کریں لیکن یہ کسی آیت و حدیث سے ثابت نہیں کہ حکومت مسلمان رعایا سے سال گذرنے سے قبل ٹیکس نہیں لے سکتی یا عطیات کی اپیل نہیں کر سکتی۔

۶۔ کرنل صاحب نے ایک نیا اجتہاد یہ بھی کیا ہے کہ......

"تنخواہ دار طبقہ جب وہ دو ہزار
کلوگرام غلہ سے زیادہ سال بھر میں
کما لیں دسواں حصہ زکوٰۃ میں
لینا چاہیئے۔ ص ۱۴"

"اسلامی قانون کی رو سے سونے چاندی یا اس کی مالیت یعنی نقدی مال تجارت اور چرنے والے مویشیوں پر سال کے بعد زکوٰۃ ہے اور عشری زمین کی ہر نئی پیداوار میں عشر یا بیسواں حصہ ہے جب کہ ان اموال کا نصاب پورا ہو اس کے علاوہ کسی آمدن میں زکوٰۃ یا عشر واجب نہیں ہے، ہاں بوقت ضرورت مزید ٹیکس اور مزید محاصل عائد کئے جا سکتے ہیں لیکن عشر و زکوٰۃ کے شریعت میں بیان کردہ حدود و خطوط میں کمی بیشی اور قطع و برید نہیں ہو سکتی اور اگر بیچارے تنخواہ دار طبقے سے آپ دسواں حصہ وصول کر کے واپس لینا چاہتے ہیں تو سیدھا مشورہ یہ کیوں نہیں دیتے کہ ان کی تنخواہ کا دسواں حصہ کم کر دیا جائے کہ دے کر واپس لینے سے نہ دینا آسان ہے۔ یہ بھی فرمائیے کہ کیا آپ خود اپنی تنخواہ کا دسواں حصہ نکالتے رہے ہیں؟ اگر نہیں نکالا تو چونکہ آپ نے تنخواہ میں عشر واجب کیا ہے لہذا عشری قوانین کی رو سے سابقہ وصول کی ہوئی سب تنخواہوں کا صاحب حیثیت ہونے کی صورت میں عشر ادا کرنا آپ پر واجب ہے وہ ادا کیجئے!

۷۔ کرنل صاحب ایک اجتہاد یہ بھی کرتے ہیں کہ

"وہ (حکومت) لوگوں سے
اپیل کر کے بطور عطیات مزید
رقوم لے اور اگر لوگ نہ دیں
تو زکوٰۃ کی شرح کو بڑھائے کیونکہ
یہ مجبوری ہو گی" (ص ۱۵ ایضاً)

جناب! اس مرض کا علاج اور مشکل کا حل وہ نہیں جو جناب نے تجویز کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ اگر لوگ اخلاقی اپیل پر کان نہ دھریں اور اجتماعی ضرورت در پیش ہو تو حکومت ان سے قانوناً جبر و تشدد کے ذریعہ بھی لے سکتی ہے کہ اجتماعی حقوق انفرادی حقوق پر مقدم ہیں لیکن شرح زکوٰۃ کو بڑھا دینے کا از روئے شریعت کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ فرضی نماز کی طرح ایک فرضی عبادت ہے

لہذا اس کے حدود و احکام میں تصرف و تغیر کی قطعاً گنجائش نہیں لا تبدیل لکلمٰت اللہ (اللہ کے احکامات میں کوئی تبدیلی نہیں)۔ اللہ تعالےٰ کے اس واضح اعلان کے باوجود اگر کرنل صاحب شرح زکوٰۃ کو بدلتے ہیں تو یہ صاحب شریعت کے مقابلہ میں ایک بہت بڑی جرأت و دلیری ہے جس کا تحمل کرنل صاحب کے مضبوط اعصاب ہی کر سکتے ہیں ورنہ کسی اور میں اتنی ہمت کہاں! اور اگر قانون ساز ادارہ یعنی قومی اسمبلی کی منظوری کے بغیر کوئی ماہر سے ماہر آدمی بھی ملکی آئین میں ترمیم و تنسیخ کا مجاز نہیں تو قانون الٰہی میں انسانوں کے لئے دست برد کیسے روا ہوگی؟

۸۔ کرنل صاحب تالیف قلوب کے مصرف کو بھی بحال مانتے ہیں (ص۱۶ ایضاً) حالانکہ زکوٰۃ کا یہ مصرف ایک خاص وقت کے لئے تھا جس کی تعیین اور نشان دہی مزاج شناسان رسول، نجوم ہدایت اور اسرار شریعت کے محرم راز اصحاب نے کر دی تھی چنانچہ اس وقت کے گذرنے کے ساتھ ہی دور صحابہؓ میں باجماع صحابہؓ یہ حکم از خود ختم و غیر موثر ہو گیا جس کی پوری تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے لہذا مؤلفۃ القلوب والا حکم منسوخ ہے۔ اگر اس مقصد میں زکوٰۃ خرچ کی گئی تو زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

۹۔ ص۱۹ پر ساتویں باب میں لکھا ہے

"حج اسلام کا بین الاقوامی مظاہرہ ہے۔ مختلف ملکوں کے امراء حج منیٰ میں کانفرنس کریں جس کے لئے ایجنڈا پہلے سے تیار کیا گیا ہو۔"

پیش انداز روح اسلام کے سراسر منافی ہے۔ حج ایک عبادت ہے اور اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں میں نصاب عبادۃ کے ذریعہ اولاً روحانی پاکیزگی و تقویٰ پیدا کر کے ثانوی درجہ میں ضمناً ملک رانی اور جہان بانی کی صلاحیتیں بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ پس ان عبادات کے اصل اور حقیقی و اولیٰ مقصد کو نظر انداز کر کے ثانوی درجہ کے اوصاف کو اصل مقصود بنانا یہ عبادات کی روح عبادت کو کچل دینے کے مترادف ہے۔ ہاں عبادت کے ذریعہ اپنے اندر تقوےٰ اور روحانی پاکیزگی کے جوہر پیدا کرنے اور رضاء الٰہی کی جستجو کرنے کے ساتھ ساتھ ملک رانی کی صلاحیتیں پیدا کی جائیں اور امور مملکت کی تدبیریں کی جائیں تو اس سے قوم ترقی بھی کرے گی اور یہ اسلام کا ایک معجزہ بھی ہوگا۔

۱۰۔ موصوف ص۲۶ پر لکھتے ہیں کہ

"شادی شدہ زانی کے لئے سنگساری کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں۔ میرے خیال میں اس سزا کو ملتوی کیا جا سکتا ہے۔"

واقعی سچ فرمایا آپ کے اپنے خیال میں ایسا ہو تو سکتا ہے لیکن اسلام کی غیرت غیر خدا کو اپنے اندر اس محو و اثبات اور ترمیم و تنسیخ کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ خیال رہے کہ قرآن میں منسوخ ہونے والی آیات تین قسم کی ہیں۔

۱۔ ایسی آیات جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔

۲۔ وہ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہے یعنی قرآن میں ان کی تلاوت نہیں ہوتی مگر ان کا حکم اب بھی باقی ہے۔

۳۔ وہ آیات کہ جن کا حکم منسوخ ہے اور تلاوت منسوخ نہیں یعنی وہ قرآن میں موجود ہیں اور ان کی تلاوت کی جاتی ہے لیکن ان پر عمل نہیں ہوتا دوسری قسم کی منسوخ ہونے والی آیات میں سے یہ بھی ہے:

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما یعنی جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کرو۔ صحابہ کرامؓ کی تصریح کے مطابق یہ ایسی آیت ہے جس کی صرف تلاوۃ منسوخ ہے اور حکم باقی ہے۔

پھر احکام شرعیہ یعنی قوانین اسلام کے ماخذ چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور مجتہدین فقہاء امت کا قیاس۔ یہاں قیاس کا معنی خیال نہیں بلکہ اس کا خاص معنی اور تشریح ہے اور اس میں کئی شرطیں اور تفصیلات ہیں جن کو علم اصول فقہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور آج قوانین اسلام میں جس چیز کو آسان سمجھا جا رہا ہے یعنی قیاس، یہ اسلامی قوانین کے ماخذ یعنی فقہاء کے نزدیک ماخذ کے ان چاروں ابواب میں سے باب قیاس مشکل ترین ہے۔ الغا اصول اربعہ میں سے جس سے بھی کوئی حکم اور قانون ثابت ہو وہ قانون شرعی کہلاتا ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے خاص طور پر جو قانون قرآن و سنت یا اجماع سے ثابت ہو وہ اتنا محکم قانون ہوتا ہے کہ اس کو نہ ختم کیا جا سکتا ہے نہ تبدیل! بلکہ وہ جس طرح اپنے اصل سے ثابت ہو اسی طرح باقی رکھ کر اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ رجم کا حکم متعدد احادیث اجماع امت اور قیاس سے ثابت ہے جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کے شواہد موجود ہیں اور یہ حدیث مشہور ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر یعنی بچہ صاحب فراش (خاوند) کا ہوگا اور زانی کے لئے پتھر یعنی سنگساری۔ پھر خود کرنل صاحب نے اسی رسالہ کے باب ۱ میں ائمہ اربعہ کی چاروں فقہوں کو اسلامی قانون یعنی قانون الٰہی تسلیم کیا ہے اور چاروں مسلم فقہوں میں رجم کی دفعہ صراحتہً موجود ہے، جب رجم کا حکم اتنے پختہ اور لاریب طریق سے ثابت ہے تو جناب کرنل صاحب محض اپنی قوۃ خیالیہ سے اس کو اسلامی قانون کے صفحات سے کیسے مٹا سکتے ہیں؟ اور رجم کے علاوہ جتنے بھی احکام احادیث یا اجماع امت سے ثابت ہیں مثلاً کلمات اذان، صلوٰۃ کی مکمل تفصیل اور اس کی عملی صورۃ اور حد شراب وغیرہ کیا ان کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ یہ قرآن سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے اور بالیقین نفی میں ہے تو پھر رجم کو کیونکر ختم کیا جا سکتا ہے؟

۱۱۔ موصوف مذکورہ رسالہ کے ص۳۱ پر رقمطراز ہیں کہ

"سن بلوغت مردوں کے لئے ۱۸ ہونا چاہئے اور عورتوں کے لئے [illegible] برس"

اگر تو اس سے مراد تو یہ ہے کہ وہ عمر بیان کی جائے جس میں وہ احکام شرعیہ کے مکلف بن جاتے ہیں اور ان پر اس طرح احکام شرعیہ کی پابندی لازم ہو جاتی ہے تو یہ اسلامی [illegible] دور کی بات ہے کیونکہ مرد و عورت کے لئے سن بلوغت پندرہ سال [illegible]

بقیہ ص[illegible] پر

شہر شہر سے — ترتیب قمر د. شمی

اتحاد سے علیحدگی شہداء کی قربانیوں سے غداری کے مترادف ہوگی

اصغر خان بھی آجائیں اور نورانی میاں بھی، میں ناگزیر نہیں ہوں، مفتی محمود

پہلے قومی اسمبلی پھر صوبائی اور بعد میں بلدیات کے انتخاب کرائے جائیں

صبح سے ہی تیز ہوا چل رہی تھی۔ موسم کا مزاج ہر لحظہ بگڑ رہا تھا کہ ہالی وڈ فوٹوگرافر سے ٹیلیفون آیا کہ موسم خراب ہے۔ معلوم کریں کہ جہاز اتر سکے گا یا نہیں۔ ایئرپورٹ پر رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ سب اچھا ہے۔

ہوائی اڈہ پر پہنچے تو دیکھا کہ پریس کے نمائندوں اور کارکنوں کا خاصا اجتماع تھا۔ ضلع کے امیر سید خورشید عباس گردیزی بمعہ احباب، حاجی محمد معقوب، خواجہ افضل حق، عبدالرشید خان ساتھیوں سمیت موجود تھے۔ پاکستان جمہوری پارٹی کے خواجہ شفیق بھی اور جمعیتہ علمائے اسلام ممتاز آباد کے لیڈر مولانا محمد اسحق صاحب اور خان رب نواز خاں صاحب بھی منتظر تھے۔

ابھی پروگرام سوچا ہی جارہا تھا کہ اعلان ہوا کہ موسم خراب ہونے کی وجہ سے طیارہ واپس لاہور چلا گیا۔ پژمردہ سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔

جمعہ کا دن تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو بھنک پڑی کہ جہاز آرہا ہے۔ لاہور سے مولانا غلام اکبر صاحب ناظم مرکزی دفتر جمعیتہ علمائے اسلام نے بتایا کہ مفتی صاحب پونے تین بجے روانہ ہو چکے ہیں۔ بھاگم بھاگ ہوائی اڈہ پر پہنچے دیکھا کہ پریس کے نمائندے بھی موجود اور کارکن بھی۔

طیارہ آیا اور نصف گھنٹہ چکر لگانے کے بعد لینڈ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب کو دیکھتے ہی چہرے کھل اٹھے سلطے پایا کہ پریس سے خطاب بھی شہر میں ہو۔ مفتی صاحب تھکے ہوئے بھی بہت تھے اور موسم بھی گرم۔

حاجی محمد معقوب جالندھری کی رہائش گاہ فیضی روڈ پر قافلہ پہنچا اور بلاتوقف مفتی صاحب نے پریس کے نمائندوں سے بات شروع کردی۔

قومی حکومت کا مسئلہ:

قومی حکومت کے قیام کا کوئی واضح مقصد ہونا چاہیئے۔ قومی حکومت کو نمائندہ حکومت کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ ہم بلامقصد حکومت میں شمولیت کے حامی نہیں۔ غیر منتخب حکومت میں شمولیت کرنا جمہوری جماعتوں کے اصولوں کے منافی ہے۔ تاہم بعض دفعہ ایسا کرنا پڑتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت بھی عبوری حکومت بنی تھی جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے شامل تھے۔ ملک کی موجودہ صورتحال کا تقاضا ہے کہ ملکی استحکام کو مضبوط بنایا جائے۔ ضرورت ہے کہ منتخب حکومت کے قیام تک موجود مارشل لاء حکومت کو سہارا دیا جائے۔

انتخابات کی ضرورت اور اہمیت:

اگر انتخاب جلد نہ ہوئے تو خطرناک بحران پیدا ہوسکتا ہے جس کا تصور بھی لرزا دیتا ہے اور ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ ہمیں اصول مقدم ہیں۔ ہم بھاری بوجھ محسوس کرتے ہوئے قومی حکومت کے قیام کے بارے میں مذاکرات میں حصہ لے رہے ہیں۔ ہم اقتدار کے بھوکے نہیں ہم نے ماضی میں مسٹر بھٹو کی طرف سے اقتدار میں شریک ہونے کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ وزیر بننے کا شوق نہیں صرف قومی ضرورتوں کے پیش نظر ہم اتحاد میں شامل جماعتوں سے چند وزیر نامزد کردیں گے۔ میں تو پہلے وزارت کے استعفے دے چکا ہوں اس لئے مجھے تو بالکل شوق نہیں۔

افغانستان کا انقلاب:

ہمارے پڑوسی برادر ملک میں قتل و غارت سے بہت دکھ ہوا ہے۔ جو لوگ برسر اقتدار آئے ہیں ان کی تعداد ہزار میں ایک بھی نہیں بنتی تو پھر کس طرح حکومت کو عوامی اور جمہوری حکومت قرار دیا جاسکتا ہے۔

افغانستان کے نام سے اسلامی کا نام حذف کرکے عوامی جمہوری افغانستان رکھ دیا گیا ہے۔ اس تبدیلی سے مسلمانوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے ہیں۔ یہ انقلاب ہزاروں افراد کے قتل اور خونریزی کے بعد لایا گیا ہے۔

میں ناگزیر نہیں ہوں:

میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں قومی اتحاد کے لئے ناگزیر ہوں اور نہ ہی مجھے عہدے کا لالچ ہے۔ لیکن جب قومی اتحاد کا انتخاب ہو

ہو رہا تھا تو مولانا نورانی صاحب بھی موجود تھے اور مجھے اتفاق رائے سے منتخب کیا گیا۔ نورانی میاں نے خود مجھے منتخب کیا اور اب خود ہی میرے خلاف پروپگنڈہ کرتے ہیں۔ میری ذاتی خواہش ہے کہ جمعیت کے رہنما پہلے کی طرح ہم سے مل جائیں، غلط فہمیوں کو دور کریں۔ ہم انہیں بھائیوں کی طرح قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اگر ہم مستعفی ہو جائیں اور دوبارہ انتخاب کی صورت یہی رہی تو اتحاد اختلاف کی نظر ہو جائے گا اور ایک مذاق بن جائے گا۔

اصلاحی کمیٹیاں:

موجودہ دور میں اصلاحی کمیٹیوں کی ضرورت نہیں تاہم اگر اصلاحی کمیٹیاں بنانا ضروری ہیں تو ان میں باکردار افراد کو شامل کیا جائے۔ پولیس اور پٹواریوں کی رپورٹوں پر اعتماد نہ کیا جائے۔

بہر حال حکومت کا یہ پروگرام انتہائی غیر جمہوری ہے۔ ہم بلدیات کے انتخاب کو بھی اس مرحلہ پر مسترد کرتے ہیں اس لئے کہ ہمارا مطالبہ قومی انتخابات کا ہے۔ پہلے قومی اسمبلی پھر صوبائی اسمبلی اور بعد میں بلدیات۔

ایئر مارشل اور ایک مجاہد:

جب ایئر مارشل اتحاد سے الگ ہوئے تو ایک زخمی نے کہا کہ مجھے گولی لگی۔ اس کی تکلیف اس قدر نہیں ہوئی جس قدر ایئر مارشل کی اتحاد سے علیحدگی کی تکلیف ہوئی ہے۔ مفتی صاحب نے کہا آج بھی ہم چاہتے ہیں کہ اصغر خاں صاحب تشریف لائیں اور اتحاد کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

میں نے رسالہ میں ایک شہید کی داستان پڑھی تو میں روتا رہا۔ تحریک کے دوران قربانیاں دینے والے وزیر نہیں بننا چاہتے تھے۔ نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرانا چاہتے تھے۔

جو لوگ نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہونے سے پہلے اتحاد سے الگ ہو جائیں گے وہ شہداء کی قربانیوں سے غداری کریں گے۔

مخلوط تعلیم:

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان میں مخلوط تعلیم اسلامی اقدار کے حامل ملتان جیسے شہر میں درست نہیں۔

میں تو چاہتا ہوں کہ ملتان یونیورسٹی میں بھی مخلوط تعلیم بند کی جائے۔ بی۔ ایڈ کی طالبات کو گورنمنٹ کالج برائے خواتین یا گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج برائے خواتین میں داخل کیا جائے۔

لازمی مضامین کی تدریس جن کے لئے کوالیفائڈ معلمات میسر نہ ہوں کالج آف ایجوکیشن کے اساتذہ کے ذمہ لگا دیئے جائیں۔ طلباء کا اختلاط نہ ہو۔

میں جنرل صاحب سے مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کے لئے الگ یونیورسٹی بنائی جائے اور مخلوط تعلیم کو یکسر ختم کیا جائے۔

محمد یعقوب شیخ

بھٹو کو ظل اللہ کہنے والے ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

حکومت کو ایسے افراد کا سختی سے نوٹس لینا چاہیئے۔ مولانا سیّد عبدالمجید ندیم

مجلس تحفظ حقوق اہل سنت وجماعت پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا سید عبدالمجید ندیم نے انجمن شبان اسلام کے زیر اہتمام ٹیکسلا، اسلام آباد اور موضع گانگو بہادر ضلع راولپنڈی میں تبلیغی اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو ایسے افراد کی طرف توجہ دلائی جو مذہبی عقائد کا سہارا لے کر ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ بھٹو کے دور میں اس کو ظل اللہ کا لقب دیتے رہے ہیں اور سابقہ حکومت کے تمام ناجائز کاموں میں تعاون کرتے رہے ہیں وہ حق نمک ادا کرتے ہوئے موجودہ حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ٹیکسلا کی ایک خاص فرقہ کی تنظیم کی طرف سے شائع شدہ اشتہار کا حوالہ دیا جس میں پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب کے خلاف نفرت پھیلائی گئی ہے اور ان کے اس بیان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے احتجاج کیا گیا ہے جس میں چیف جسٹس صاحب نے خلافت راشدہ کا نظام نافذ کرنے کی بات کی ہے۔ مولانا عبدالمجید ندیم صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایک معمولی سی اقلیت جو ملک کی غالب اکثریت کے حقوق کو غصب کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور ان کے جذبات کو مجروح کر کے ملک میں امن وامان کی صورتحال پیدا کرنا چاہتی ہے اس کو ایسے عزائم سے باز رکھا جائے اور مذہبی عقائد کی آڑ میں سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوششوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ مولانا نے گذشتہ حکومت کے اس فیصلے کو بدلنے کا مطالبہ کیا جس کی رو سے نصاب دینیات میں تبدیلی کر کے شیعہ اور سنی طلباء کے لئے علیحدہ نصاب تیار کیا گیا تھا اور ایسا نصاب تیار کرنے کا مطالبہ کیا جس میں اکثریت آبادی کے عقائد کے مطابق نصاب دینیات مرتب کیا جائے جیسا کہ پڑوسی ممالک ایران وعراق میں نصاب تعلیم اکثریت آبادی کے عقائد کے مطابق ہے۔

ان اجتماعات میں انجمن شبان اسلام کی طرف سے مجلس تحفظ حقوق اہل سنت وجماعت پاکستان کے تمام مطالبات کی تائید کی گئی اور انجمن کی طرف سے مجلس کو پورے تعاون کا یقین دلایا گیا۔

جھنگ:

جمعیۃ علمائے اسلام ضلع جھنگ کے ناظم نشر واشاعت چوہدری محمد عقیل ضیاء نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اور محکمہ مواصلات کے ارباب بست وکشاد کی توجہ اسطرف مبذول کرائی کہ "ضابطۂ شاہراہ پاکستان" (اردو) کے صفحہ ضمیمہ دوئم بعنوان "چند حفاظتی تدابیر" کے پانچویں نمبر شراب کے بارے میں یہ الفاظ درج ہیں کہ

"شراب زیادہ مقدار میں پینا آپ کو خطرے سے دوچار کر سکتا ہے۔"

ان الفاظ کے پڑھنے سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ

ملک میں شراب پر کوئی پابندی نہیں یا کم از کم ڈرائیوروں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

انہوں نے کہا کہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی سی کتاب میں اتنی بڑی غلطی اور قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ ہمارے سیکرٹری جناب شاہ نواز صاحب رقم طراز ہیں کہ یہ ضابطہ ۱۹۶۵ء میں بنایا گیا اور اب اسے نئے سرے سے مرتب کیا گیا ہے۔ شاید سیکرٹری صاحب نے "نئے سرے" کے الفاظ تحریر میں زور اور جدت کے لئے استعمال کئے ہوں اور اسی ۱۹۶۵ء والے ضابطہ شاہراہ پاکستان کو جوں کا توں شائع کرا دیا ہو۔ انہوں نے حکومت پاکستان سے اپیل کی کہ اس ضابطے کی کتاب میں ترمیم کر کے شراب والی بحث کو خارج کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ ایسا کیوں ہوا۔ سیاستدانوں کے ساتھ انتظامیہ اور نوکر شاہی کا احتساب بھی ضروری ہے۔

فیصل آباد:

گذشتہ روز جمعیۃ علماء اسلام تحصیل فیصل آباد کے ناظم عمومی رائے عبدالخالق نے موجودہ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ فیصل آباد سے امین پور بنگلہ کو جو ٹرک جاتی ہے اس روڈ پر بسیں بہت کم ہیں علاقہ کے عوام بہت سے مسائل سے دوچار ہیں بسوں میں اسقدر رش ہوتا ہے کہ خواتین کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ خاص کر ٹرڈ والا بنگلہ کے عوام کو تو سیٹ ملتی ہی نہیں۔ عورتیں بچوں سمیت گھنٹوں کھڑی رہتی ہیں۔ امین پور روڈ پر مزید بسیں چلائی جائیں تاکہ علاقہ ٹرڈ والا بنگلہ کے عوام آرام و سکون سے سفر کر سکیں۔

شہری کمیٹیوں کے قیام کے مقاصد:

کراچی (۲ مئی) جمعیت علماء اسلام کراچی سینٹرل اور قومی اتحاد کے راہنما الحاج مولانا محمد زکریا نے اپنے اخباری بیان میں کہا ہے کہ حکومت کی جانب سے شہری کمیٹیوں کے اغراض و مقاصد واضح نہیں ہیں۔ ان کمیٹیوں کو قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ کیا ان کی تشکیل رقبہ، حلقہ یا محلہ وار بنیاد پر عمل میں لائی جائے گی یا کوئی اور منصوبہ زیر غور ہے؟ ہر کمیٹی کے ممبران کی تعداد کیا ہو گی۔ ان ممبران کے فرائض کیا ہوں گے اور اختیارات کا دائرہ کتنا وسیع ہو گا۔ کیا یہ کمیٹیاں براہ راست حکومت کی ہدایات کے زیر اثر کام کریں گی یا وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں آزاد ہوں گی؟ ان تمام امور پر تفصیل سے وضاحت ضروری ہے۔ اگر حکومت کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ کمیٹیاں حکومتی احکام کے زیر اثر کام کریں گی تو پھر اس قسم کی کمیٹیوں کو تشکیل دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حکومت کے پاس طاقت ہے اور وہ اس طاقت کا مظاہرہ ان کمیٹیوں کا سہارا لئے بغیر بھی کر سکتی ہے۔

مولانا ذکریا نے مزید کہا کہ یہ بات اب واضح ہو چکی ہے کہ انتظامیہ کے بیشتر ذمہ دار افسران امن عامہ قائم رکھنے، قیمتوں کو مناسب سطح پر لانے، جرائم کی روک تھام کرنے، عوام کو ٹرانسپورٹ بجلی، پانی وغیرہ کی سہولتیں فراہم کرنے میں افسوسناک حد تک ناکام اور نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں اگر شہری کمیٹیوں کی تشکیل ایسے ہی افسران کی سرکردگی میں عمل میں آتی ہے تو ظاہر ہے کہ بنیادی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ان کمیٹیوں کے اراکین کا انتخاب حکومت کی بجائے عوام پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر ہر محلے سے ایسے اراکین کا انتخاب ہونا چاہئیے جنکا کردار بے داغ رہا ہو، جن میں عوامی خدمت کا صحیح جذبہ موجود ہو اور جو باصلاحیت ہوں، نیز ان اراکین کو نامزد کرنے میں متعلقہ حلقوں کے امیدواروں کی رائے کا دخل ہو۔ مولانا نے کہا کہ اب تک شہری کمیٹیوں کے جو نام تجویز کئے گئے ہیں ان میں کے اکثر بقول اہل ایریا کے یہ غنڈے بدمعاش ظالم اور غلط پولیس افسران کے ایجنٹ ہیں۔ اس سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ آئندہ چل کر یہ لوگ غلط قسم کے افسران کی دلالی اور ایجنٹی کریں گے۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ:

جمعیۃ علماء اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ممتاز راہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان کے ذریعے عبوری حکومت کے سربراہ اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کے اس اعلان کا بھرپور خیر مقدم کیا ہے جس میں جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا ہے کہ موجودہ عبوری حکومت ملک میں شرعی اقدار پر مبنی نظام حکومت نافذ کرنے کے بارے میں مؤثر اقدامات کر رہی ہے اور اس ضمن میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

مشترکہ بیان میں جمعیۃ کے راہنماؤں نے کہا ہے کہ پاکستان اسلام کے مقدس نام پر معرض وجود میں آیا تھا مگر گذشتہ تیس سالوں کے دوران اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں اسلام کے ساتھ "سوتیلی ماں" کا سا جو سلوک روا رکھا گیا وہ خداوند قدوس کی ناراضگی کا موجب بنا اور اس سلوک کے ذمہ دار سابق حکمرانوں کے ساتھ ساتھ پوری قوم کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

بیان پر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن اور بزرگ عالم دین الحاج مولانا محمد عمر لدھیانوی، جمعیت کے ضلعی رہنما مولانا محمد اختر صدیقی، جمعیۃ علماء اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کے امیر حافظ عبدالحمید، ناظم اعلیٰ احمد یعقوب چوہدری ناظم صوفی محمد صدیق عتیق، جمعیت کے مقامی رہنما مولانا پیر محمد صدیق لدھیانوی ملک گل محمد، حاجی عبدالکریم، مولانا محمد اکرم قاسمی اور حافظ بشیر احمد عثمانی نے دستخط کئے۔

ملک میں فحاشی

اور بے دینی کو روکا جائے:

کراچی: جمعیۃ علماء اسلام لیاری کے رہنما امیرزادہ خان نے ایک بیان میں ملک بھر میں بڑھتی ہوئی فحاشی، عریانی، بے دینی اور الحاد پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مارشل لاء حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی جیسے اہم ترین ذرائع ابلاغ سے لئیق احمد اور قریش پور جیسے ملحد بے دین اور کمیونسٹ غداران قوم کو فی الفور الگ کر کے انہیں فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے۔ یہ ملحدین اپنے آقا بھٹو کے سکنڈل پر ٹی۔ وی کے ذریعہ عریانی، فحاشی، عورتوں کی آزادی کے نام پر عوام کو گمراہ کر کے مذہب سے دور کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ریڈیو، پنجابی اور پشتو میں گانے نشر کرتے ہیں جن سے نوجوان نسل کا اخلاق

تربیتی اجتماعات کو کامیاب بنانا ہر کارکن کا فرض ہے: جاوید ابراہیم پراچہ

مرکزی قائدین کا تنظیمی دورہ بہت کامیاب رہا۔

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے قائمقام صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے ملک بھر کے جماعتی کارکنوں کو سخت ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں ہونے والے تربیتی اجتماعات کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی پوری کوشش بروئے کار لائیں۔ آپ نے پنجاب کے ساتھیوں سے خصوصاً اپیل کی ہے کہ وہ ۲۵-۲۶-۲۷ مئی کو گوجرانوالہ میں ہونے والے تربیتی اجتماع کو سابقہ روایات کی طرح کامیاب بنائیں۔ آپ نے کہا کہ کارکن کی ذہنی تربیت کا بہترین ذریعہ صرف اور صرف تربیتی اجتماعات ہیں۔ اس لئے ہر کارکن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے صوبے میں منعقد ہونے والے تربیتی اجتماع میں ضرور شرکت کرے۔

مرکزی قائدین کا تنظیمی دورہ:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی قائمقام صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ اور مرکزی ناظم مالیات جناب میاں محمد اجمل قادری نے گذشتہ دنوں صوبہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان کا ہنگامی تنظیمی دورہ کیا۔ اس دورے کی ابتدا پنجاب سے ہوئی جہاں ۴ مئی کو پنجاب کی مجلس عاملہ کے اجلاس سے مرکزی قائدین نے خطاب کیا اور ہدایات دیں۔ یاد رہے اس اجلاس میں قائد طلباء میاں محمد عارف نے بھی شرکت فرمائی۔ اس کے بعد مذکورہ دونوں قائدین حیدر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں جمعیۃ طلباء اسلام سندھ کی مجلس عاملہ کے اجلاس سے جناب جاوید ابراہیم پراچہ مرکزی قائمقام صدر، محمد فاروق قریشی مرکزی ناظم عمومی، میاں محمد اجمل قادری مرکزی ناظم مالیات نے خطاب فرمایا اور جمعیۃ سندھ کی عاملہ کے اجلاس میں درج ذیل فیصلے کئے گئے:

۱۔ جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سندھ کے نئے انتخابات ۲۲-۲۳ جون کو حیدر آباد میں ہوں گے۔ انہی دنوں صوبائی تربیتی اجتماع بھی منعقد ہوگا۔

۲۔ پورے صوبے میں تربیتی اجتماعات کا پروگرام رکھا گیا ہے۔ پروگرام کے مطابق ۲۵-۲۶ مئی کو تربیتی اجتماع کراچی میں منعقد ہوگا اور ۲۲-۲۳ جون کو حیدر آباد میں منعقد ہوگا۔ ۱۳-۱۴ جولائی کو ضلع تھرپارکر کا تربیتی اجتماع میرپور خاص میں منعقد ہوگا۔ ۷، اور ۸ ستمبر کو ضلع سکھر، ۱۵-۱۶ اکتوبر کو ضلع جیکب آباد، ۲-۳ نومبر کو ضلع لاڑکانہ، ۱۴-۱۵ دسمبر کو ضلع ٹھٹھہ، ۵-۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو ضلع خیرپور کے تربیتی اجتماعات منعقد ہوں گے۔

۳۔ "عزم نو" کی خریداری کی مہم کو تیز کرنے کے لئے پورے صوبے میں ہنگامی پروگرام بنائے گئے ہیں۔

جاوید ابراہیم پراچہ دورے پر:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ۸-۹ جون کو مری میں قاری اسد اللہ صاحب عباسی کی قیامگاہ پر ہوگا۔ صوبہ بلوچستان، سرحد، سندھ اور پنجاب سے تعلق رکھنے والے مجلس شوریٰ کے ارکان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ بروز جمعرات بارہ بجے دوپہر سے قبل مری پہنچیں۔

اجلاس کی پہلی نشست ۸ جون کو بعد نماز عصر منعقد ہوگی۔

جناب جاوید ابراہیم پراچہ صاحب ۲۵ مئی کو گوجرانوالہ کنونشن میں شرکت کے لئے لاہور ہوائی مستقر پر ۲۶ مئی کو کراچی کنونشن میں شرکت کے لئے ساڑھے گیارہ بجے لاہور ہوائی مستقر سے روانہ ہوکر ایک بجے کراچی ہوائی مستقر پر ۲۷ مئی کو کوئٹہ کنونشن میں شرکت کے لئے ساڑھے نو بجے جہاز سے روانہ ہوکر ساڑھے دس بجے کوئٹہ ہوائی مستقر پر پہنچیں گے۔

۲۸ مئی کو کوئٹہ ہوائی مستقر سے پشاور یونیورسٹی کے اجلاس میں شام ساڑھے سات بجے پشاور ہوائی مستقر پر پہنچیں گے۔ ۲۹ مئی کو فیصل آباد میں جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کریں گے۔

فیصل آباد:

گذشتہ روز جمعیۃ طلباء اسلام فیصل آباد کے کارکنان کا ایک اجلاس زیر صدارت حافظ عبدالغنی خالد صدر جمعیۃ طلباء اسلام فیصل آباد منعقد ہوا۔ اجلاس میں متفقہ طور پر قاری خلیل الرحمن انوری کو جمعیۃ طلباء اسلام فیصل آباد کا ناظم مطالعات منتخب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جمعیت کی تنظیم کو مزید مضبوط بنانے کے لئے

ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ارکین یہ ہیں :
حافظ عبدالغنی خالد ۔ قاری خلیل الرحمٰن انوری
مختار عباس چودھری ۔ محمد حنیف ۔ خضر حیات ۔
آخر میں مولانا محمد یعقوب خان کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا ۔

جمعیۃ سوگوار ہے :

گذشتہ روز جمعیۃ طلباءِ اسلام گوجرانوالہ کے انتہائی فعال کارکن جناب محمد معظم میر کے والد گرامی جناب حاجی محمد اصغر قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ۔ مرحوم ایک انتہائی شریف النفس نوجوان اور صالح آدمی تھے ۔ مرحوم کافی عرصے سے علیل تھے ۔ جمعیۃ طلباءِ اسلام کے مرکزی راہنماؤں میاں محمد عارف ، عبدالرؤف ربانی اور ظہیر میر نے ایک بیان میں معظم میر سے اظہار تعزیت کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے والد کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے (آمین)

انتخابات

گورنمنٹ کالج ساہیوال

کنوینر : حافظ محمد اکرام
رابطہ سیکرٹری : منصور ٹکا
ناظم اطلاعات : حافظ بدرالدین
" مالیات : شکیل احمد

خانپور (سندھ)

صدر : مشتاق احمد آرائیں
نائب صدر : علی اصغر
ناظم عمومی : رضا محمد
مالیات : نیاز محمد مغل
صحت : بشیر احمد سومرو

ناظم دفتر : تاج محمد
رابطہ سیکرٹری : اختر علی

حلقہ کوٹ لیاقت حیات (اوکاڑہ)

صدر : محمد انور شہزاد
نائب صدر : محمد ارشد ندیم
ناظم عمومی : ظفر اقبال شاہد
ناظم : محمد سرور
" اطلاعات : محمد جمیل نجم
" مالیات : مقبول احمد ضیاء

حلقہ شیخ بستی (اوکاڑہ)

صدر : حافظ محمد یسین نوناری
نائب صدر : قدرت اللہ فاروقی
ناظم مالیات : محمد صدیق
" عمومی : محمد یسین نجم
ناظم : ہارون رشید
" اطلاعات : بشارت ندیم



جمعیۃ طلباء اسلام

صوبہ پنجاب کے زیر اہتمام

آٹھواں

صوبائی تربیتی اجتماع

بمقام

مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

بتاریخ

۲۵-۲۶-۲۷ مئی ۷۸ء

کارکن سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماع کو کامیاب بنائیں۔